www.urducouncil.nic.in

مئی 2017، قیمت:-/10₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

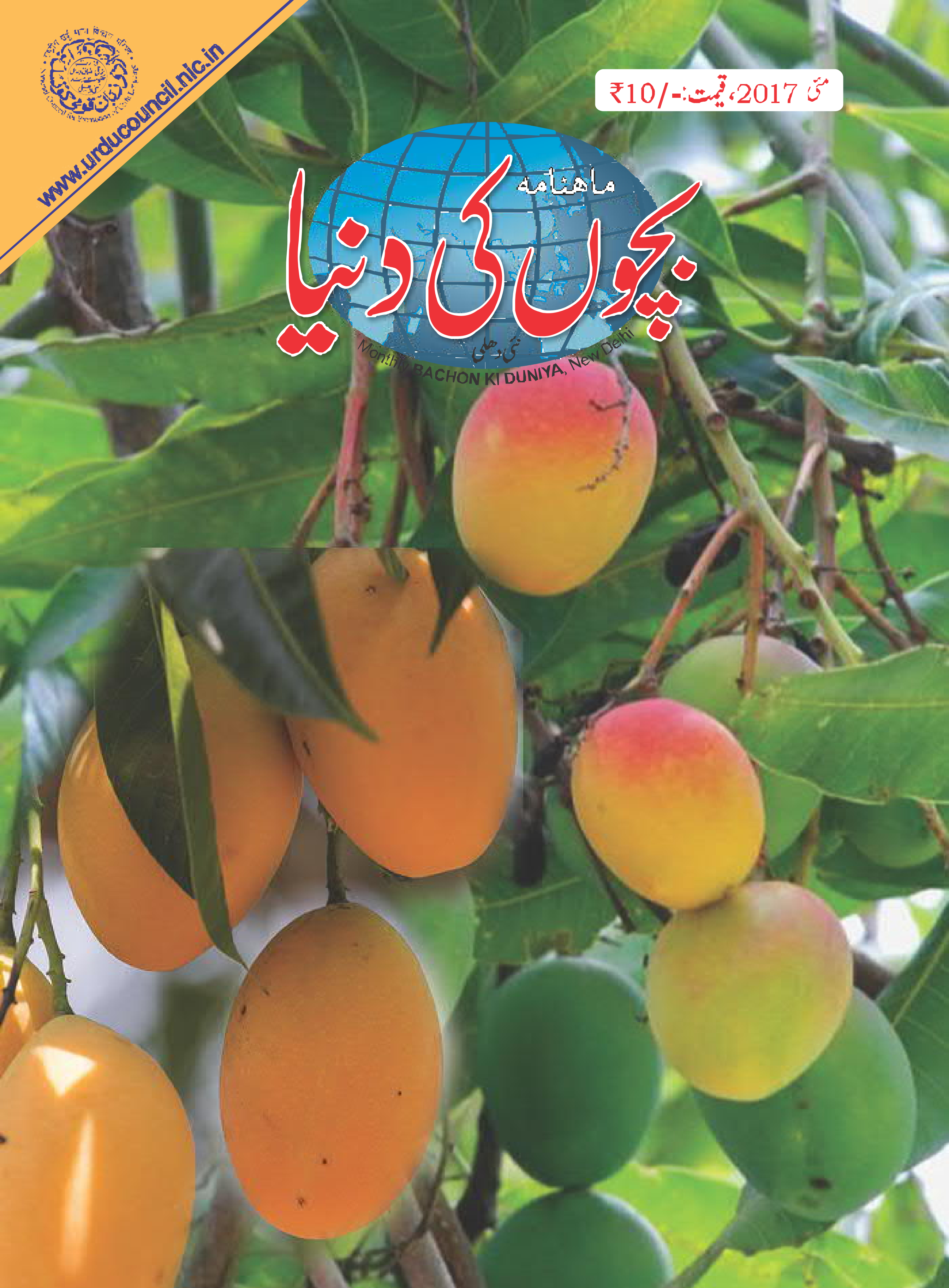

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا

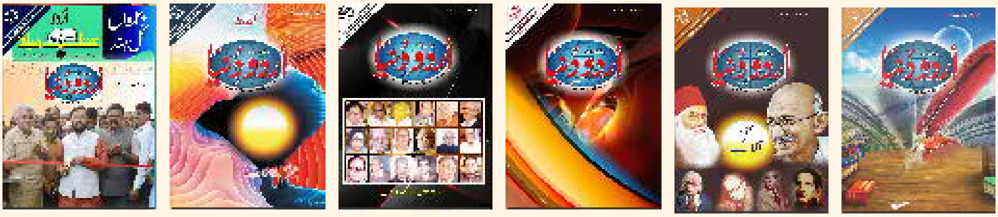

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 5 شمارہ: 5 مئی 2017

مدیر : پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارتِ ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: 10/ روپے، سالانہ 100/ روپے

■ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون: 26109746
ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز- 110-7-22، تھرڈ فلور، ماجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدر آباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

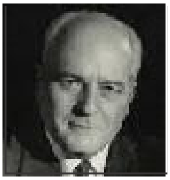

مدیر کا خط	آپس کی باتیں	مدیر	04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
مضامین	ہوائی آلودگی	اسرار حسین	06
	ایمن لیبن کی دین: پاکٹ بکس	بانو سرتاج	09
	پھلوں کا راجہ: آم	اقبال زاہد انصاری	11
	آموں کا کل ہند مشاعرہ	محمد رفیع انصاری	15
نظمیں	ماں کی ممتا	منصور خوشتر	21
	پیڑ پودے کتنے کام کے	انصار احمد معروفی	21
	ماں	حمیرہ فردوس	22
کہانیاں	شہزادی بوا	عادل رشید	23
	دوسروں کی مدد	مرتضیٰ ساحل تسلیمی	26
	شیرنی کی درگت	عظیمہ اقبال	28
	یہ موذی کینسر	ندیم راغی مرادآبادی	30
نظم	نظمیں	ابرار جمیل	32
کہانیاں	عزم و ہمت کی کامیاب ملکہ	منظر عباس	33
	ادب کی اہمیت	عبدالوہاب قاسمی	35
	لالچی کسان	محمد کلیم اللہ زادہ ندوی	37
	پانی	شارق متین	39
نظم	اتحاد	جاوید اکرم	43
باتصویر کہانی	داستان گو آیا ہے	رتن سنگھ	44
کہکشاں	عزم	ایڈووکیٹ حبیب ریتھ پوری	48
	لہو کا رنگ	محسن رضا	49
	باتیں دلِ ناداں کی...	منظور پروانہ	50
	بچوں کی زندگی میں استاد کی اہمیت	فاطمہ شاہین	51
	پہیلیاں	وکیل نجیب	52
	مئی کے اہم دن	ظہیر نیازی	52
	آؤ اردو سیکھیں		53
	سب سے اچھا پیڑ	محمد طارق صدیقی	54
ننھے فنکار	زندگی کا مقصد	صبا آر کے	56
	علم کی اہمیت	سارہ انجم مبین احمد	58
	ہنسی کے غبارے		59
	بچوں کی پینٹنگ		60
آپ کی باتیں	اردو فیس بک		62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! جس وقت یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا آپ سب امتحانات کے بعد چھٹیوں کا مزہ لے رہے ہوں گے۔ امتحانات سر پر آتے ہی ذہنی دباؤ کی سی حالت بن جاتی ہے لیکن امتحانات کے ختم ہونے کے بعد جو سکون ملتا ہے اس کا اپنا ہی مزہ ہے۔ چھٹیوں کا صحیح استعمال اور اسے سچ مچ میں انجوائے کرنا بھی ایک فن ہے۔ کئی بچے بس اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ کر کے یا ٹی وی دیکھ کر چھٹیاں برباد کرتے ہیں۔ آپ میں سے کئی اِس کا صحیح استعمال بھی کرتے ہیں۔ اپنی دلچسپی کے مطابق کھیل کود یا پھر ہابی کلاس یا تفریحی مقامات کی سیر کا صحیح استعمال ہے۔ یہ سب بھی نہ ہو سکے تو اپنی پسندیدہ کتابیں پڑھیں جس سے آپ کو کچھ نیا کرنے اور سیکھنے کا موقع ملے۔

دوستو! ایک بات کو اپنی گرہ میں باندھ لیں کہ آپ اپنی سوچ ہمیشہ بلند رکھیں، اچھا سوچیں، بڑے بڑے خواب دیکھیں۔ خواب دیکھنا اس لیے ضروری ہے کہ خوابوں سے ہی انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ انسان کی صلاحیت اور صحیح سمت میں کی گئی کوشش کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ بڑے لوگوں کی تو بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ آیئے ہم آپ کو آپ کے آس پاس کے کچھ ایسے بچوں کی کہانیاں سناتے ہیں جو ہماری اور آپ کی طرح ہی ہیں مگر اپنی ذہانت اور ذکاوت کی وجہ سے انھوں نے معاشرے میں ایک مثال قائم کی ہے۔ تمل ناڈو کے آکاش کے دادا دل کے اچانک دورے کی وجہ سے چل بسے۔ آکاش پر اس کا اتنا گہرا صدمہ ہوا کہ انھوں نے اچانک دل کے دورے کا پتہ بتانے والی تکنیک ایجاد کر لی۔ ان کی اِسی ایجاد کی وجہ سے صدر جمہوریہ نے انھیں اپنا مہمان بنایا اور راشٹرپتی بھون میں آکاش نے اپنی اِس تکنیک کی وجہ سے خوب تعریفیں بٹوریں۔ کھیلوں کی بات کریں تو حیدرآباد کی حسنہ سمیرا نے ایک منفرد ہی کارنامہ انجام دیا ہے۔ انھوں نے 34 گھنٹے 45 منٹ تک کیرم کھیل کر گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں اپنا نام درج کروایا ہے۔ اس سے قبل یہ ریکارڈ 32 گھنٹوں کا تھا۔ اس کھیل کے دوران انھوں نے محض 7 دفعہ بریک لیا۔ اُن کے اِس کارنامے سے گھر والے کافی خوش ہیں۔ اسی طرح حیدرآباد کے ہی اگستیہ جیسوال نے محض 11 برس کی عمر میں 12 ویں کا امتحان دیا۔ انھیں خدا نے قابل رشک ذہن اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ان کی بہن نینا جیسوال ٹیبل ٹینس کی اچھی کھلاڑی ہیں۔ وہ بھی خداداد صلاحیتوں کی مالک ہیں۔ انھوں نے محض 15 برس کی عمر میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے ایم اے کی سند حاصل کی تھی۔ یہ محض کچھ مثالیں ہیں۔ ایسی ہی صلاحیتیں ہمارے چاروں طرف بکھری پڑی ہیں۔ آپ میں سے بھی کئی بچے اپنے اپنے میدان کے ماہر ہوں گے۔ بس آپ اپنی دلچسپی اور شوق کے مطابق اپنی صلاحیتوں کو ابھاریں۔ آپ بھی سوچیں اور سماج کے لیے، ملک کے لیے کچھ ایسا کر دیں کہ آپ کا نام بھی تاریخ کے صفحات میں درج ہو۔

'بچوں کی دنیا' کے موجودہ شمارے کے ساتھ ہی اس نے چار سال مکمل کر لیے ہیں۔ ان چار برسوں میں آپ سب کا پیار اور خلوص ہمارے ساتھ رہا ہے جس سے ہمارے رسالے کو ناقابل یقین کامیابی اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ آپ اپنی رائے اور تاثرات سے ہمیں آگاہ کرتے رہیں اور ہم آپ کی پسند کے مطابق 'بچوں کی دنیا' کو سنوارتے رہیں گے!

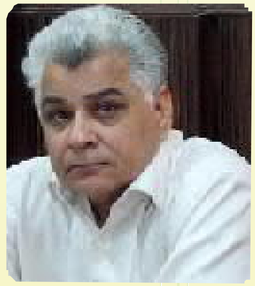

آپ کا

پروفیسر سید علی کریم (ارتضیٰ کریم)

ڈاک خانہ

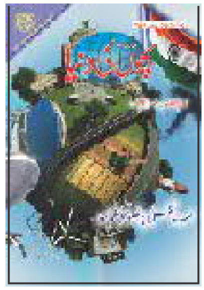

□ ماہ جنوری کا شمارہ پورے آب و تاب کے ساتھ آیا ہے۔ جلد 5 شمارہ 1 ہے اور اس ماہ سائنس پر خصوصی مضامین ہیں۔ ابتدا مدیر کا خط ہے وہ لکھتے ہیں: ”یہ شمارہ سائنس پر مرکوز ہے۔ موجودہ دور سائنس کا ہے اور ہر روز سورج نئی سائنسی تحقیقات اور ایجادات کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔ سائنس کی ہی دین ہے کہ آج دنیا اس قدر ترقی کر چکی ہے۔ آپس کی بات کے تحت مدیر محترم نے کافی اچھا مواد بچوں کو دیا ہے اور سائنس کی وجہ تسمیہ بتائی ہے۔“

سائنس بذاتِ خود بڑا ہی دلچسپ موضوع ہے۔ اس لیے بچوں کے لیے اور بھی دلچسپ ہوگا۔ ڈاک خانہ کے تحت بڑوں کی باتیں 5 خطوط شامل ہیں۔ ماہ جنوری کی اہمیت یوم جمہوریہ سے ہے اور اس مناسبت سے 26 جنوری پر پروفیسر حنیف کیفی کی نظم اور ریاض انور کی نظم ’سارے جہاں سے اچھا ہے میرا ہندوستان‘ شامل ہے۔

جہاں سائنس کے تحت چھ مضامین ہیں پہلا مضمون ارسطو... مغربی سائنس کا جنم داتا: ہیراج پوری کا ہے۔ یہ سائنس داں 384 قبل مسیح و 322 قبل مسیح کا ہے۔ ارسطو کے بارے میں اچھی معلومات ہیں۔ اس کے بعد پاسچر پر مضمون ہے۔ پھر سالم علی جو پرندوں کے ماہر ہیں ان پر معلوماتی مضمون ہے جو احرار حسین کا لکھا ہے۔ پرندوں کے بارے میں نت نئی معلومات سالم علی نے دیں۔ جتنی لال یادو کا مضمون کاغذ کی کہانی جو کہ محمد مالن اللہ کا ترجمہ کردہ ہے۔ کاغذ کی کہانی بتاتی ہے کہ کس طرح کاغذ تیار ہوا اور آج ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ کیونکہ یہ سردی کا مہینہ ہے اسی مناسبت سے خاور نقیب کی نظم ’سردی آئی شاپنگ کر لیں‘ کے ساتھ جنوری عیسوی کا نیا سال ہے اس پر عبدالرزاق کی نظم نیا سال بھی شامل ہے۔ کہانی سردی اور سویٹر سید اسد علی تاش کی پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اسلم جاوداں کی کہانی ’میں افسر بنوں گا‘ طہٰ نسیم کی کہانی ’پیٹ ہڑتال‘ پر دلچسپ کہانیاں ہیں۔

قصہ حاتم طائی کی آٹھویں قسط قسط وار ناول کی ہے جو حیدر بخش حیدری کا ناول ہے۔ بچوں کے کتب خانہ کے تحت ڈاکٹر عبدالرشید نے کتابوں کی سیر میں غلام حیدر کی پیسے کی کہانی پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ آؤ اردو سیکھیں روپ کرشن بھٹ نے اردو ہندی، انگریزی میں اردو سیکھنے کے لیے اس کے نام دیے ہیں۔ 26 جنوری کے اہم واقعات انصاری محمد انس محمود حسین نے لکھے ہیں۔ الفاظ کی تلاش، پہیلیاں، ہماری زبان، آپ کا دماغ کتنا تیز ہے۔ ادبی لطائف رنگ (صالحہ صدیقی) شریف اور دیو (انصاری نور افشاں) نے فنکار لالچی آدمی، بچوں کا آرٹ فیس بک کے تحت بچوں کے خطوط شامل ہیں۔ مجموعی اعتبار سے بچوں کی دنیا کا یہ شمارہ نئے سال کی نگارشات کے ساتھ سائنس پر خصوصی نمبر ہے اور پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

م ق سلیم

احرار حسین

ہوائی آلودگی

کسی ملک کی ترقی اور خوش حالی کا اندازہ وہاں پر موجود کارخانوں اور صنعتوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ اُن سے نکلتا ہوا دھواں اس بات کا ضامن ہوتا ہے کہ کوئی ملک دنیا کی صنعتی ترقی میں شانہ بہ شانہ ساتھ ہے۔ ایک ترقی یافتہ ملک ہے لیکن آج کے وقت میں ان صنعتوں سے نکلتا ہوا دھواں انسان کی زندگی کے لیے ایک بڑا خطرہ بن کر سامنے آرہا ہے۔ اس صنعتی انقلاب کی وجہ سے ہمارے ماحول میں مختلف قسم کی کیمیائی اشیا شامل ہورہی ہیں جس کی وجہ سے ہمارا ماحول زہر آلودہ ہورہا ہے۔ آیئے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ ہمارے ماحول میں یہ زہر کس طرح گھل رہا ہے۔ ان کے اسباب کیا ہیں اور اس کو کیسے روکا جاسکتا ہے؟

دنیا بھر کے سائنس داں اس دنیاوی ماحول میں گھلتے زہر کے مسئلے پر فکرمند ہیں اور وہ اس مسئلے سے چھٹکارا پانے کے لیے مسلسل کوشاں ہیں۔ سائنس دانوں کے مطابق کارخانے اور صنعتیں رات دن مختلف قسم کی گیس اور دوسری زہریلی اشیا ہمارے ماحول میں چھوڑ رہی ہیں جن کی وجہ سے ماحول میں زہریلا پن بڑھتا جارہا ہے۔ یہ زہر آلودہ ہوائیں ہمارے جسم میں مختلف قسم کی بیماریاں پیدا کررہی ہیں جس کی وجہ سے ہمارے پھیپھڑے خراب ہوجاتے ہیں اور جسم میں دوسری بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ چارکول، گریفائٹ، سلی کون اور انسان کے بنائے ہوئے مینرال فائبرس سلی کیٹ وغیرہ ہمارے ماحول کو مسلسل گندا کررہے ہیں۔ ان اشیاء کے ایکسپوژر سے لگاتار کھانسی اور نزلہ جیسی پریشانیاں رہتی ہیں۔ پھیپھڑوں کے پھولے پن میں کمی آجاتی ہے اور سانس گھٹنے لگتی ہے اور بہت زیادہ ایکسپوژر سے موت بھی واقع ہوجاتی ہے۔

زنگ کا پرمیگنیشیم کی زہریلی بھاپ ہمارے کارخانوں کے آس پاس بہت مقدار میں جمع رہتی ہے۔ ان کارخانوں میں کام کرنے والے مزدور اور آس پاس کے رہنے والے لوگ اپنے سانسوں کے ذریعے ان زہریلی گیسوں کو اپنے جسم میں پہنچاتے ہیں جن کی وجہ سے ان کو نزلہ و زکام، گھبراہٹ اور

مسلسل بخار رہنے لگتا ہے۔ اسے میتھل قیوم فیوز کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ المونیہ سلفر ایک ٹیڈ اور کلورین وغیرہ کارخانوں کی مشینوں سے مسلسل رِستی رہتی ہے اور ہمارے ماحول کو زہر آلود بناتی رہتی ہے۔ یہ گیسیں ناک، کان، آنکھ اور سانس کی نلی کو نقصان پہنچاتی رہتی ہے اور ان کی زیادتی سے قہر سر درد اور آواز پر بھی خراب اثر پڑتا ہے اور زیادہ مقدار کے ایکسپوزر سے موت بھی واقع ہوجاتی ہے جس کی ایک مثال بھوپال گیس حادثہ ہے۔ اس حادثے میں کارخانے کے ایک ٹینک سے متھائل آئی سوسائنیٹ کے رِسنے سے ایک خطرناک حادثہ ہوا۔ اس گیس نے انسان، جانور اور پیڑ پودوں پر برا اثر ڈالا اور اسی طرح ہزاروں انسانوں اور جانوروں کی جانیں ضائع ہوئیں اور اب بھی ہزاروں لوگ اپاہجوں کی زندگی گزار رہے ہیں۔

کلورو فلورو کاربن کی وجہ سے ہمارے ماحول پر کافی برا اثر پڑا ہے۔ اس کی ماحول میں زیادتی کی وجہ سے اوزون کی پرت جو زمین کے چاروں طرف موجود ہے نقصان پہنچا ہے جس کی وجہ سے درجہ حرارت بڑھ رہا ہے۔ اسی وجہ سے نسرین کناڈا میں ہوا۔ ایک انٹرنیشنل ایگریمنٹ کے مطابق کلورو فلورو کاربن جیسی زہریلی کیمیا کے استعمال اور اس کے بنانے پر روک لگانے کی تجویز پاس کی تھی۔ 1990 میں اس کیمیائی مادے کے بیسویں صدی تک مکمل طور پر استعمال پہ پابندی کی تائید کی گئی ہے۔ آیئے ایک نظر اس پر بھی ڈالیں کہ یہ کلورو فلورو کاربن کیا ہوتا ہے۔ ریفری جیٹ اور ایئر کنڈیشنگ میں فری اون بارہ کیمیکل استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کو یو ایس کے سائنس دانوں نے ٹاکسک سلفر ڈائی آکسائڈ، میتھائل کلورائڈ اور پروپین وغیرہ کا بدل کیا ہے۔ فری اون بارہ کمپونڈ کاربن کلورین اور فلورین کے ایٹم سے مل کر بنتا ہے۔ اس کے چند نام ہیں: فری اون اور جینن ٹران جو کہ پچھلے ساٹھ سالوں سے ملتے ہیں۔ ان کیمیکل کا استعمال ریفری جیٹ اور ایئر کنڈیشننگ کے علاوہ الیکٹرانک آلات اور پلاسٹک وغیرہ میں کیا جاتا ہے۔ ایسا خیال ہے کہ تقریباً 90% کیمیا یو ایس میں ہی استعمال میں آتے ہیں۔ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ ان کیمیا کا کثرت سے استعمال ہمارے ماحول میں بہت سی تبدیلیاں لا رہا ہے جس میں کچھ اثرات اوزون ہول اور گرین ہاؤس افیکٹ کی شکل میں سامنے آیا ہے۔ کلورو فلورو کاربن کو ہوا سے الگ نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ دوسری گیسوں کے ساتھ ہے۔ اس کیمیکل کو پولوڈ سوسی ایشن، آکسی ڈیشن، پرانیر اور بارش کی ہوا سے الگ نہیں کیا جاسکتا جس کی وجہ سے یہ ہمارے ماحول میں تقریباً 40 سے 150 سال تک موجود رہتا ہے اور انسان کو مسلسل نقصان پہنچاتا رہتا ہے۔ اس لمبے عرصے کے دوران یہ کیمیا گیس سے ہمارے ماحول کے ٹروپواسفیر ریجن میں سے ڈفیوزن میکینزم کے ذریعے ایٹامک کلورین پیدا کرتی ہے۔ یہ ایک سلسلہ رہتا ہے جس کی وجہ سے ایٹامک کلورین کی زیادتی ہوجاتی ہے۔ اور وہاں پہ اوزون لیئر کو بری طرح نقصان پہنچاتی ہے۔ یہ اوزون لیئر انسانی زندگی میں ایک بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ یہ باہر سے آنے والے الٹراوائلیٹ شعاعوں کو زمینی ماحول میں آنے سے روکتی ہے۔ 1987 میں برٹش انٹارٹک سروے سے پتہ چلتا ہے کہ CFCS کے استعمال سے اوزون لیئر تقریباً 50% کم ہوگئی ہے اور یہ بھی خبردار کیا گیا ہے کہ اس پرت کی موٹائی میں مسلسل کمی آتی جارہی ہے جس کی وجہ ہمارے ماحول میں الٹروائیلیٹ ریز کی زیادتی ہورہی ہے۔ یہ شعاعیں اسکین کینسر کو بڑھاوا دیتی ہیں اور سمندر میں موجود فائیٹو پینکٹان کو بھی نقصان پہنچ رہی ہے جس سے

دنیا کے انسانوں کے کھانے پینے کے نظام پر برا اثر پڑے گا۔ ایک اندازے کے مطابق 1% اوزون لیئر کی موٹائی کی کمی سے 2% الٹرا وائیلیٹ ریز تقریباً 6% جلد کے کینسر میں اضافہ کرسکتی ہے۔ یہ بھی شبہ ہے کہ اوزون لیئر میں 2.5CM ہونے کے بڑھنے سے تقریباً ایک لاکھ لوگوں کو کینسر یا کیٹر جیسی پریشانی کا سامنا ہوسکتا ہے۔ زمینی ماحول میں موجود فلورو کاربن اور کاربن ڈائی آکسائڈ میتھو ڈین نائٹریس اکسائڈ جیسی پولی ایٹا مک گیسیز گرین ہاؤس افیکٹ میں کافی مدد کرتی ہے۔ یہ گیسیز انفرارید شعاعوں کو بھی جذب کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زمین کا درجہ حرارت 255° سے بڑھ کر 288°W تک پہنچ گیا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق ہوا میں 1988 تک کاربن ڈائی آکسائڈ کی موجودگی تقریباً 315 PoML تک پہنچ گئی تھی جو اب بڑھ کر 350 PDMV تک پہنچ گئی ہے۔ اس کے ذریعے دار تیل اور نیچرل گیس بنائی جاتی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ 2000A.D تک کاربن ڈائی آکسائڈ ہماری فضا میں تقریباً 375 سے 385PDMV تک پہنچ جائے گی اور اس کی وجہ سے اس وقت زمین کا درجہ حرارت 5°C تک بڑھ جائے گا۔ کاربن ڈائی آکسائڈ کے علاوہ گرین ہاؤس گیسیز جیسے میتھین نائٹرس آکسائڈ وغیرہ الگ سے ہمارے ماحول کو زہریلا بنا رہی ہے۔ یہ گیسیز بھی زمین کو گرم کرنے میں اپنا الگ سے رول ادا کررہی ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ گلوبل درجہ حرارت تقریباً 1°C ہر سال بڑھ رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان سب خطرات سے ہم کیسے بچ سکتے ہیں۔ ہمیں کون سی احتیاط کرنی ہوگی۔ صنعتوں اور کیمیکل وغیرہ کا فوری طور پر استعمال بند نہیں کیا جا سکتا۔ گرین ہاؤس گیسز کا استعمال کم کرنا ہوگا۔ انرجی کے دوسرے ذرائع استعمال کرنے ہوں گے اور نئی تکنیکوں کی ایجاد کرنی ہوگی جس میں ایک تکنیک پوٹو گوس مائک تکنیک ہے۔ اس سے بجلی کے پیداوار کی کاسٹ میں بھاری کمی آئی ہے۔ جنگلات کو کٹنے سے روکنا ہوگا اور زیادہ سے زیادہ پیڑ لگانے ہوں گے۔ ایک رپورٹ کے مطابق ہمارے ملک میں تقریباً 22.7% حصے میں جنگلات ہیں۔ آزادی کے وقت یہ جنگلات تقریباً 34% موجود تھے۔ اس سے ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جنگلات کو کتنی تیزی سے کاٹا جا رہا ہے۔ جب زمینی ماحول میں گیسیز ورقیومن کی زیادتی ہوجاتی ہے تو تیزابی بارش بھی ہوجاتی ہے جو کہ کسی ملک کے انسانوں، پیڑ پودوں اور جانوروں کے لیے بہت ہی خطرناک ہوتی ہے۔ ان سب پریشانیوں سے بچنے کے لیے ہماری کچھ ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔

(1) نئی تکنیکوں کو تلاش کرنا۔ موجودہ تکنیکوں کو بدلنا۔ ماحول کو زہریلا ہونے سے بچانا۔

(2) موجودہ کارخانوں اور صنعتوں کو ایک دم بدلا نہیں جا سکتا۔ اس لیے ہمیں ایسی کیمیا ایجاد کرنی ہوگی جس سے ماحول میں کم سے کم آلودگی ہو۔

(3) سرکاری ماحولیاتی پروگراموں کو شو کرنے میں ہمیں مدد کرنی ہوگی اور نئے پیڑ پودے لگانے ہوں گے۔

اس وقت ہمارا فرض یہ ہے کہ آنے والی نسلوں کو صاف ستھرا ماحول دیں تاکہ نئی نسل صاف ستھرے ماحول میں زندگی گزار سکے۔ اس سے ہمارے ملک اور پوری دنیا کا مستقبل بہتر ہو سکے گا۔

ماخذ: سائنسی شعاعیں،
مصنف: ڈاکٹر احرار حسین،
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

بانو سرتاج

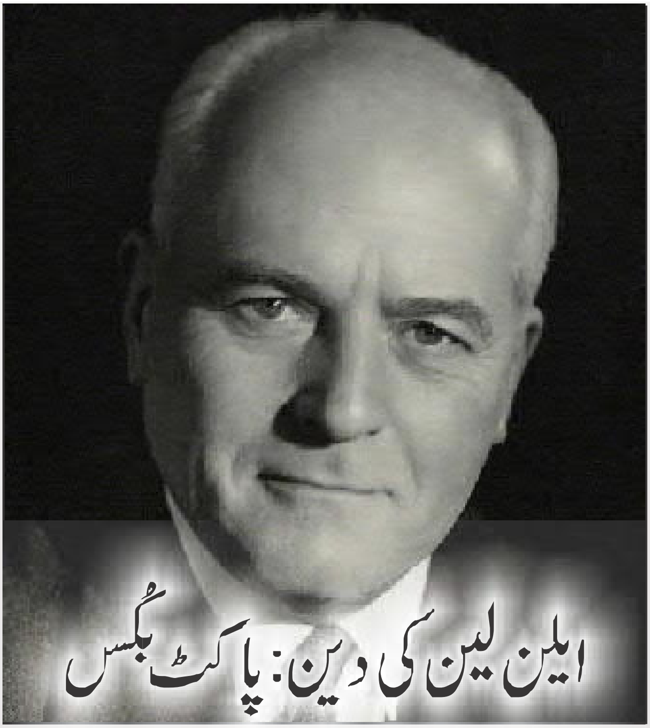

ایلن لین کی دین: پاکٹ بکس

بچو! تم نے بہت سی کتابیں دیکھی ہوں گی۔ کورس کی بڑے سائز کی کتابیں، کہانیوں کی چھوٹی چھوٹی کتابیں، کامکس کی کتابیں، بھاری بھرکم ڈکشنریاں، بڑوں کی موٹی موٹی کتابیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ کتابیں ڈیسک پر، ٹیبل پر رکھ کر اہتمام سے سنبھال کر رکھی اور پڑھی جاتی ہیں مگر کیا تم نے ایسی کتابیں دیکھی ہیں جو جیب میں رکھی جا سکیں؟ یقیناً دیکھی ہوں گی انھیں پاکٹ بکس کہتے ہیں... پاکٹ بکس یعنی جیب میں رکھی جا سکنے والی کتابیں۔ یہ کتابیں قیمت میں بھی کم ہوتی ہیں۔

پاکٹ بکس کب اور کیسے وجود میں آئیں؟ آؤ جانیں۔

ایلن لین (Alen Lane) لندن کی ایک پبلشنگ کمپنی کے مالکان میں سے ایک شخص تھے۔ کمپنی کے کام کے سلسلے میں اکثر ہی انھیں سفر کرنا پڑتا۔ ایک روز وہ اسٹیشن پر لندن جانے والی ٹرین کا انتظار کر رہے تھے۔ وقت گزاری کے لیے وہ بک اسٹال پر آ کتابیں دیکھنے لگے۔ سفر کے دوران پڑھنے کے لیے وہ کوئی کتاب خریدنا چاہتے تھے۔ کتابیں ضخیم تھیں اور کافی مہنگی بھی۔ ان کے دل میں خیال آیا ایسی کتابیں کیوں شائع نہیں ہوتیں جن کی قیمت کم ہو اور جسے عام آدمی بھی خرید سکے۔ جو بہت ضخیم نہ ہوں اور جیب میں رکھ کر ادھر سے اُدھر لے جائی جا سکیں۔

سفر کے دوران وہ مسلسل سوچتے رہے اور آخر انھوں نے طے کر لیا کہ وہ مقبول ادیبوں کی عمدہ تصانیف پیپر بیک ایڈیشن اپنی کمپنی سے شائع کریں گے۔ ان کی قیمت بھی کم رکھیں گے تاکہ وہ لوگ جو مہنگی کتابیں خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے، ان کتابوں کو خرید کر اپنا پڑھنے کا شوق پورا کر سکیں۔

لندن پہنچ کر انھوں نے اپنی کمپنی کے دوسرے مالکان کے سامنے یہ تجویز رکھی تو انھوں نے صاف انکار کر دیا کہ ”یہ نا ممکن ہے۔“

دوسرے نے کہا ”جب سستی کتابیں مارکٹ میں آئیں گی تو لوگ سستی کتابیں ہی خریدیں گے۔ مہنگی کتابیں کوئی نہیں خریدے گا۔“

”اس طرح ہمیں نقصان ہوگا۔“ تیسرے نے کہا۔

بہرحال متفقہ طور پر تجویز نامنظور کر دی گئی۔

ایلن اپنے فیصلہ پر اٹل تھے۔ انھوں نے اپنے بھائیوں سے مشورہ کیا۔ اُن کے دو بھائی تھے جان لین اور رچرڈ لین۔ وہ دونوں حالانکہ کتابیں چھاپنے کا کوئی تجربہ نہیں رکھتے تھے مگر انھوں نے ایلن کا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا۔

کام کا آغاز کر دیا گیا۔ تمام ضروری باتیں طے کر

گئیں... کتاب پر کتنا خرچ آئے گا، قیمت کیا رکھی جائے گی؟ کمپنی کا نام کیا ہوگا وغیرہ۔ مختلف پبلشنگ کمپنیوں کی کتابوں کی فہرست لے کر تینوں بھائی بیٹھے اور عمدہ کتابوں کا انتخاب بھی کرلیا گیا۔

کتابوں کے کاپی رائٹ پبلشرس کے پاس تھے۔ ایلن نے ان سے پیپر بیک ایڈیشن چھاپنے کی اجازت مانگی مگر پبلشرس نے انکار کردیا۔ ان کا بھی وہی کہنا تھا کہ سستی کتابیں مہیا ہونے پر مہنگی کتابیں کوئی نہ خریدے گا۔

ایلن نے انھیں قائل کرنے کے لیے کہا ”کم قیمت کی کتابیں اُن لوگوں کے لیے ہوں گی جو مہنگی کتابیں نہیں خرید سکتے۔ ایک بڑا حلقہ ان سستی کتابوں کو خرید کر پڑھے گا اور دوسروں کو بتائے گا... کتابوں کی پبلسٹی ہوگی۔“

”مگر مہنگی کتابیں تو رہ جائیں گی۔“

”رہیں گی نہیں بلکہ زیادہ تعداد میں فروخت ہوں گی۔ جو پہلے مہنگی کتابیں خریدتے تھے وہ مہنگی کتابیں ہی خریدیں گے۔“

ایلن نے انھیں یہ اطمینان بھی دلایا کہ کتابیں بھلے ہی پیپر بیک پر چھپیں، ان کی قیمت چاہے کم ہو... معیار برقرار رہے گا تب چند پبلشرس نے اجازت دے دی۔

لین بھائیوں نے پینگوئن کمپنی بنائی۔ ہر کتاب پر پینگوئن پرندہ کی تصویر بطور ٹریڈ مارک رکھی گئی۔ پہلے دور میں مشہور اور مقبول مصنفین کی کتابوں کے پیپر بیک ایڈیشن نکالے گئے۔ تینوں بھائی ان کتابوں کو لے کر جگہ جگہ گھومے مگر انھیں سات ہزار کتابوں سے زیادہ کا آرڈر کہیں سے نہ ملا۔

ایلن اپنے ارادے میں مخلص تھے۔ ایک اچھے مقصد کے لیے وہ سستی کتابیں چھاپ رہے تھے۔ تینوں بھائی دل سے محنت کررہے تھے۔ اس لیے انھیں کامیابی ملی۔ لندن کے وولورتھس اسٹور نے انھیں دس ہزار کتابوں کا آرڈر دے دیا۔ Wool Worths Store کی لندن کے علاوہ دیگر کئی شہروں میں شاخیں قائم تھیں۔ ایک کامیاب بزنس مین کی طرح اسٹور کے مالک نے اندازہ لگا لیا کہ سستی کتابیں یقیناً عوام میں مقبول ہوں گی، اسی لیے آرڈر دینے میں دیر نہیں کی۔

سو پونڈ کی پونجی سے لین بھائیوں نے پینگوئن پاکٹ بکس کی اشاعت کا آغاز کیا۔ یکم جولائی 1935 کو پینگوئن پاکٹ بکس بازار میں آئیں۔ ہر کتاب کا سرورق خوبصورت تھا۔ قیمت صرف چھ پنس تھی۔ لوگ یہ کتابیں خریدنے کو بے قرار ہو اٹھے۔ کتابیں تیزی سے فروخت ہونے لگیں۔

پبلشر نے جب یہ حال دیکھا تو اپنی اپنی کمپنی کی کتابیں چھاپنے کی اجازت ایلن کو دے دی۔ ایلن نے ماہرین کی خدمات حاصل کیں۔ اچھی کتابوں کا انتخاب ان کے ذمہ کردیا گیا۔ کئی نئی کتابیں بھی لکھوائی گئیں۔

لین بھائیوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ انھوں نے امریکہ، کناڈا، نیوزی لینڈ میں پینگوئن بکس کی شاخیں کھول دیں۔ چار سال بعد ان کی ڈیڑھ کروڑ کتابیں سالانہ فروخت ہونے لگیں۔ رفتہ رفتہ یہ تعداد چار کروڑ ہوگئی۔

دوسرے پبلشرس نے بھی پاکٹ بکس چھاپنا شروع کردیا۔

1970 میں ایلن لین نے وفات پائی مگر اس کی دین سے آج بھی ہزارہا لوگ مستفیض ہورہے ہیں۔ پینگوئن پاکٹ بکس پبلشنگ کی دنیا کا معتبر نام بن گیا ہے۔

■

Dr. Bano Sartaj
Opp Akashwani, Sartaj House, Civil Lines
Chandrapur - 442401 (Maharashtra)

امتیاز احمد انصاری

پھلوں کا راجہ: آم

قدرت نے انسانوں کے لیے انواع واقسام کی نعمتیں کھانے کی شکل میں عطا کی ہیں۔ ان ہی نعمتوں میں ایک خاص نعمت آم ہے۔ پھلوں کا راجہ آم ایک خوش ذائقہ، گودے دار اور رسیلا پھل ہے۔اس کا سائنسی نام Mangifera Indica ہے جو Anacardiaceae خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ عمدہ ذائقہ، پُراثر تاثیر اور بے شمار فائدے کی بنا پر یہ ہر عمر کے لوگوں کا پسندیدہ پھل ہے۔ آم اتنا لذیذ اور خوش ذائقہ ہوتا ہے کہ کھانے کی شوقین انسانوں کا پیٹ بھر جاتا ہے مگر دل نہیں بھرتا۔ اردو کے مشہور و معروف شاعر مرزا غالب کو آم کتنا پسند تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب کسی نے ان سے پوچھا کہ ''غالب صاحب! آم کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ تو انھوں نے برجستہ ہی کہا تھا کہ ''آم میٹھے ہوں اور ڈھیر سارے ہوں''۔ آم کے سلسلے سے مرزا غالب کا وہ واقعہ بھی بہت مشہور ہے جب ان کے کسی عزیز نے ازراہِ مذاق کسی گدھے کے سامنے آم رکھ دیا۔ گدھا نے آم سونگھ کر اسے چھوڑ دیا۔ اس نے غالب سے کہا کہ دیکھیے گدھے بھی آم نہیں کھاتے۔ مرزا غالب نے اسی انداز میں جواب دیا کہ ٹھیک کہتے ہو جو گدھے ہیں وہی آم نہیں کھاتے۔ ان دونوں واقعات سے جہاں ایک طرف غالب کی بذلہ سنجی کا پتہ چلتا ہے وہیں دوسری طرف پھلوں کا راجہ آم سے ان کی گہری رغبت کا بھی علم ہوتا ہے۔

آم گرمی کے موسم کا پھل ہے کیونکہ اس کی پیداوار کے لیے گرم اور مرطوب آب و ہوا کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی لیے عام طور پر یہ مئی کے مہینے سے شروع ہو کر اگست کے مہینے تک دستیاب ہوتا ہے۔ آم کی پیداوار کے سلسلے سے خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی کاشت کی شروعات آج سے تقریباً 6 ہزار سال پہلے دکھن پورب ایشیا سے ہوئی مگر آج دنیا کے بیشتر ملکوں میں اس کی کاشت کی جاتی ہے۔ آم ہندوستان کا سب سے اہم

معاشی پھل ہے۔ آم پیدا کرنے والے ممالک میں ہندوستان اول مقام رکھتا ہے جو تنہا پوری دنیا کا 50 فیصد آم پیدا کرتا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ چین، تھائی لینڈ، میکسیکو، پاکستان، فلپائن، انڈونیشیا، برازیل، نائجیریا اور مصر جیسے ملکوں میں بھی آم کی کاشت ہوتی ہے۔ ملک عزیز ہندوستان کے آندھرا پردیش، بہار، گجرات، کرناٹک، مہاراشٹر، اڑیسہ، تمل ناڈو، اتر پردیش اور مغربی بنگال جیسے صوبوں میں آم کی پیداوار بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں عام طور پر دو طرح کے آم پیدا ہوتے ہیں۔ (1) قلمی (2) تخمی۔ تخمی کو بیجو آم بھی کہتے ہیں۔ قلمی آم کو تراش کر کھایا جاتا ہے جبکہ تخمی آم کو چوس کر کھانے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ کیونکہ اس میں ریشے ہوتے ہیں۔ قلمی آم کو قلمی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ڈنٹھل کو قلم کرکے یعنی کاٹ کر کسی دوسرے آم کے پیڑ کے ڈنٹھل میں جوڑ دیتے ہیں جو نرسری میں دستیاب ہے جبکہ تخمی آم گٹھلی سے خود بخود اُگ کر ہو جاتے ہیں۔

قلمی آم کے بے شمار اقسام ہیں۔ ایک جائزے کے مطابق صرف ہندوستان میں سیکڑوں سے زائد اقسام کے آم پائے جاتے ہیں جن میں 30 اقسام کے آم اہم اور مشہور ہیں۔ اپنے ملک میں دستیاب ہونے والے چند اہم آم کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے:

الفانسو: یہ سب سے مہنگا قسم کا آم ہے جو سبھوں میں یکساں مقبول ہے۔ اس میں ریشے نہیں ہوتے ہیں جو منھ میں ڈالتے ہی آسانی کے ساتھ گھل جاتے ہیں۔ مئی تا جون کے مہینے میں پیدا ہونے والا یہ آم خاص کر مہاراشٹر، گجرات، کرناٹک میں پیدا ہوتا ہے۔

چوسہ: مسلم بادشاہ شیر شاہ سوری نے سے چوسہ آم کا نام دیا تھا۔ یہ میٹھا، رسیلا اور غذائیت سے بھرپور ہوتا ہے۔ اپنی مٹھاس کی بنا پر تمام لوگ اسے پسند کرتے ہیں۔ اس کی پیداوار ہندوستان کے اتری علاقے میں زیادہ ہوتی ہے۔

دسہری: یہ ہندوستان کا سب سے پرانا قسم کا آم تصور کیا جاتا ہے جو تقریباً 200 سال پرانا ہے۔ جون اور جولائی کے مہینے میں پیدا ہونے والا اس آم کی پیداوار کا سب سے بڑا علاقہ اتر پردیش ہے۔

لنگڑا: سب سے پہلے اس آم کی پیداوار بنارس سے شروع ہوئی تھی۔ مگر آج ہریانہ، بہار، اتر پردیش اور بنگال اس کے پیداوار کے خاص علاقے ہیں۔ کہا جاتا ہے اس آم کو سب سے پہلے اُگانے والا شخص پاؤں سے معذور تھا اسی لیے اس کا نام لنگڑا پڑا۔

سفیدا: پیلے رنگ کا بہت خوبصورت، میٹھا اور بغیر ریشے والا

آم سب سے مشہور قسم کا آم ہے جو آندھرا پردیش میں سب سے زیادہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی پیداوار کا سیزن اپریل تا جون ہے۔

کیسر: آم کے اس خاص قسم کا استعمال آم رس بنانے میں خاص طور سے کیا جاتا ہے۔ چونکہ احمد آباد کے گجرات علاقے میں اس کی خاص پیداوار ہوتی ہے اس لیے گجرات کیسر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی خوشبو اتنی تیز ہوتی ہے کہ ایک آم پورے گھر کو مہکانے کے لیے کافی ہے۔

نیلم: یہ عام قسم کا آم ہے جو ملک کے تقریباً ہر حصے میں پیدا ہوتا ہے مگر حیدرآباد اس کی خاص جائے پیدائش ہے۔ مئی سے جولائی کے مہینے میں یہ سب سے زیادہ پیدا ہونے والا آم ہے۔

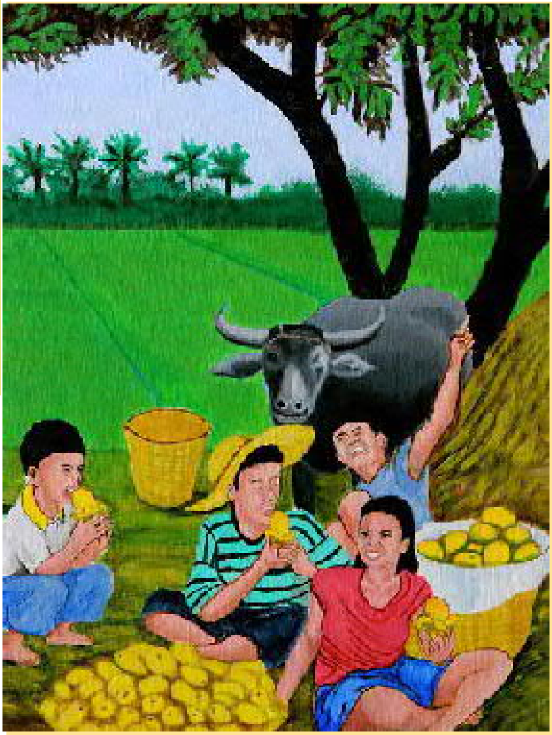

سیندوریا: اس آم کے اوپری حصہ میں خوبصورت لال رنگ کی موجودگی کی بنا پر اسے سیندوریا کہا جاتا ہے۔ بہت رسیلا اور گودے دار ہونے کے ساتھ یہ سب سے زیادہ مزیدار آم شمار کیا جاتا ہے۔

اپنی مٹھاس کی وجہ کر سبھوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے والا آم اپنے اندر بھرپور غذائیت اور وافر مقدار میں وٹامن سمیٹے رکھتا ہے۔ مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آم میں وٹامن A، B-6، C اور E کے علاوہ پوٹاشیم، میگنیشیم اور کاپر جیسے نمکیات بھی پائے جاتے ہیں جو ہمارے جسم کو بہت ساری بیماریوں سے بچاتا ہے۔ یوں تو آم ہر عمر کے لوگوں کے لیے مفید ہے مگر لاغر اور کمزور لوگوں کے لیے یہ ایک قدرتی غذائی ٹانک ہے۔ آم کھانے کا سب سے اچھا وقت سہ پہر کھانے کے بعد کا ہے۔ اسے نہار منھ نہیں کھانا چاہیے۔ آم کھانے سے پہلے اسے کچھ دیر ٹھنڈا پانی میں ڈال کر ضرور رکھنا چاہیے۔

آم نہ صرف خوش ذائقہ اور لذیذ پھل ہے بلکہ غذائی

قیمت کے اعتبار سے بھی بہت اہم ہے۔ آم حسب ذیل طریقے سے انسانی جسم کے لیے فائدہ مند اور مفید ہے:

- آم کھانے سے خون پیدا ہوتا ہے۔ دبلے پتلے لوگوں کا وزن بھی بڑھاتا ہے کیونکہ اس میں موجود اسٹارچ شکر میں تبدیل ہوکر وزن بڑھانے کا سبب بنتا ہے۔
- آم کے مستقل استعمال سے جلد کا رنگ صاف ہوتا ہے۔ روپ نکھرنے سے چہرے کی چمک بڑھتی ہے۔
- یہ جگر کی کمزوری اور خون کی کمی کو دور کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بے خوابی دور کرنے میں بھی معاون ہے۔
- ریشے دار آم طبی نقطۂ نگاہ سے زیادہ مفید ہے۔ اس میں موجود خمیر کھانا ہضم کرنے کے علاوہ قبض دور کرنے میں بھی مدد کرتا ہے۔ علاوہ ازیں ایسیڈیٹی کی پریشانی دور کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔
- آم دماغی کمزوری دور کرنے، پھیپھڑوں کو طاقت پہنچانے اور دانتوں کو مضبوط کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔
- آم کینسر سے بچاؤ کا اچھا ذریعہ ہے۔ اس میں موجود وٹامن E جنسی طاقت کو بڑھاتا ہے۔
- آم کے استعمال سے پیشاب کھل کر آتا ہے اور جسم چاق و چوبند اور توانا رہتا ہے۔
- پکا ہوا آم کا مزاج گرم جبکہ کچا آم کا مزاج ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لُو سے بچنے کے لیے کچا آم کا شربت بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

آم کے استعمال سے جہاں بے شمار فائدے ہیں وہیں نقصانات بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی بھی چیز کی زیادتی نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس لیے آم کے زیادہ استعمال سے بھوک میں کمی، خون کی خرابی، قبض اور پیٹ میں گیس بنتی ہے۔ نزلہ، زکام، بلغم، دمہ اور کھانسی کے مریضوں کے ساتھ شوگر کے مریضوں کے لئے بھی آم مضر صحت ہے۔

■

Imteyaz Ahmed Ansari
H/No.: 24, Railpar
Jahangiri Mohalla, P.O: Asansol,
Distt.: Burdwan - 713302 (WB)

محمد رفیع انصاری

آموں کا کل ہند مشاعرہ

غالب کالونی میں ہر سال چھٹیوں میں کُل ہند تمثیلی مشاعرہ منعقد ہوتا ہے۔ امسال یہ مشاعرہ ملک کے مشہور و معروف آموں سے منسوب ہے۔ کالونی کے منتخب اسکولی بچّوں کو نامی گرامی آموں کا روپ دے کر انھیں آدمی سے آم بنانے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ اس محفل میں اناؤنسر کو لے کر کل دس (10) 'آم شاعر' اپنا تازہ کلام سنائیں گے۔ جناب عبدالکریم چوسا مشاعرے کی صدارت فرما رہے ہیں۔ رابرٹ الفانسو (یعنی ہاپوس) مہمان شاعر کی حیثیت سے محفل میں جلوہ گر ہیں۔ تمام 'آم شاعر' ہندوستان جنت نشان کی اہم ریاستوں کی نمائندگی کر رہے ہیں۔

اسٹیج کو پرانے آم کے درخت کے نیچے بڑے اہتمام سے سجایا گیا ہے۔ اسٹیج کی پشت پر بڑا سا بینر آویزاں ہے، جس میں مرزا غالب اور بہادر شاہ ظفر کی منہ بولتی تصویریں آموں کے شائقین کی دلچسپی کا باعث ہیں۔ آم کے چاہنے والوں میں بڑا جوش و خروش دکھائی دے رہا ہے۔ مشاعرہ ابھی شروع نہیں ہوا ہے مگر سبھی اصحاب بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں... پھر اچانک پہلی صفوں سے 'زندہ باد، پائندہ باد، خوش آمدید' کا شور بلند ہوا۔ شور سن کر سبھی لوگ اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے۔ سب نے دیکھا کہ اسٹیج پر سب سے پہلے جناب صدر تشریف لائے، اُن کے پیچھے مہمانِ خصوصی ہاپوس اور پھر آم شعراء کی ایک قطار اسٹیج پر نمودار ہوئی۔ جن میں جناب غنی دسہری، مزاح گو جناب وسیم لنگڑا، جناب گوپال

سفیدہ، جناب خورشید نیلم، جناب نسیم توتا پری، جناب ایوب فضلی، جناب یونس کیسر اور ناظمِ مشاعرہ جناب امجد راجہ پوری سامنے آئے اور اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

اناؤنسر جناب امجد راجہ پوری اپنی جگہ سے اُٹھے، پہلے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر مائک کو سنبھال کر کہنے لگے۔

بھائیو اور بہنو! اس وقت ہمارے وطن میں آموں کا موسم چھایا ہوا ہے۔ اس محفل میں ملک کے چیدہ چیدہ آموں کو اپنا کلام پیش کرنے کے لیے بلایا گیا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ ہماری دعوت پر سبھی آم آ گئے ہیں۔ میں غالب کالونی کے باسیوں کی طرف سے ان کا استقبال کرتا ہوں۔ آج ہمارے شاعر آم اپنا تازہ کلام سنائیں گے۔ اس کلام میں سرگم بھی ہوگا اور پیام بھی۔ مشاعرے کی صدارت فرما رہے ہیں، ہم سب کے ہم نوالہ و ہم پیالہ محترم عبدالکریم چوسا صاحب۔ چوسا صاحب ان دنوں بیحد مصروف ہیں۔ لیکن ہماری دعوت کو نذرانہ کے بغیر قبول فرما کر ہم پر احسان کیا ہے۔ ہم ان کے بہت شکر گزار ہیں۔ آج کے مشاعرے میں ہاپوس یعنی رابرٹ الفانسو بحیثیت مہمان شریک ہیں۔ آپ اپنے ملک سے زیادہ غیر ممالک میں مشہور ہیں۔ یہ بڑے بیش قیمت ہیں۔ ہاپوس جی نے ہمارے لیے اپنا قیمتی وقت نکال کر ہمیں نہال کر دیا ہے۔ اس بزم کے باقی تمام شاعروں کا میں فرداً فرداً استقبال کرتا ہوں۔ اپنی بات کو یہیں ختم کر کے میں جنابِ صدر کی اجازت سے مشاعرے کا آغاز کرتا ہوں۔

خواتین و حضرات! میں امجد راجہ پوری جارنگہ اندور سے آیا ہوں، مگر آپ کے لیے نیا نہیں ہوں۔ میں اپنا تازہ کلام پیش کرتا ہوں۔ کچا پکا ہو تو معاف فرمائیں۔

امجد راجہ پوری اتنا کہہ پائے تھے کہ مجمع سے آواز آئی، جناب! ہمیں سب معلوم ہے، آپ کلام پیش کیجیے۔

امجد راجہ پوری بغیر کسی تمہید کے اپنا کلام سنانے لگے اور بغیر رُکے سناتے چلے گئے۔

کرتا ہوں تسلیم و سلام
میں ہوں راجہ پوری آم
پیٹ بھرے، پر جی نہ بھرے
کھاتے جاؤ صبح و شام
کچّا، پکّا میرا روپ
میں ہوں جیسے رام اور شیام
میری باتوں میں ہے رس
بھول نہ جانا میرا نام

چار ہی شعروں میں مجمع نے راجہ پوری کو سر پر اٹھا لیا۔ ایسا شور ہوا کہ وہ سمجھ نہ پائے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کہیں ان کے شعروں کا اچار نہ بن جائے۔ اس لیے انھوں نے خاموشی میں عافیت سمجھی... جنابِ صدر نے انھیں اگلے شاعر کو آواز

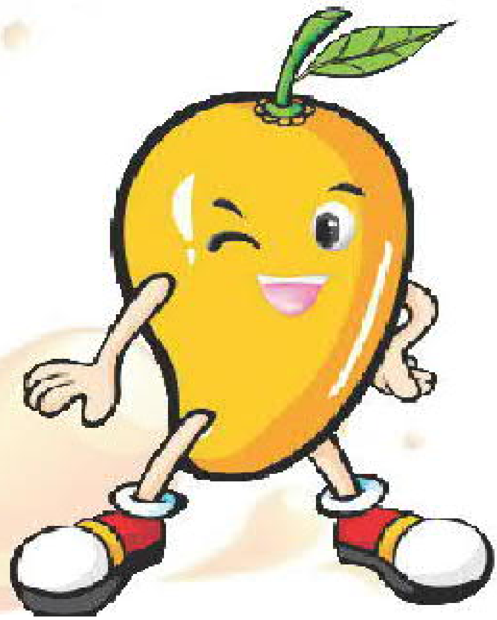

دینے کا حکم دیا۔ راجہ پوری نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مشاعرہ ماہر شاعر غنی کیسر سے کلام سنانے کی درخواست کی۔ کیسر کا نام سن کر تالیاں دیر تک بجتی رہیں۔ کیسر اپنی جگہ سے اِک شان کے ساتھ اُٹھے۔ مائک پر آکر انھوں نے پہلے سلام کیا پھر اپنا کلام سنایا۔

کیسر، آم ہوں میں حضرات!
میرا خطّہ ہے گجرات
لیکن میری بخشش عام
سب کی خاطر میرا جام
اُجلا اُجلا میرا روپ
سایہ سایہ جیسے دھوپ
جس کے میں آتا ہوں ہاتھ
دیر تلک دیتا ہوں ساتھ۔۔

آخری شعر پر کیسر صاحب کو خوب داد ملی۔ لوگوں نے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر ان کا حوصلہ بڑھایا۔ اناؤنسر نے ان کی اس بات کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ لوگو! یہ سچ بات ہے کہ کیسر آم کو جو کوئی ہاتھ لگاتا ہے پھر اُس کا جی اُسے چھوڑنے کو نہیں چاہتا۔ ہمارا جی بھی اس وقت انھیں چھوڑنے کا نہیں ہے لیکن اور آم شاعر بھی یہاں تشریف رکھتے ہیں اس لیے میں کیسر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اب صوبۂ بہار کے شاعر جناب ایوّب فضلی کو زحمتِ کلام دی گئی۔ ایوّب صاحب 'فضلی آم' کا روپ سجائے جیسے سامنے آئے سب نے ان کا خیر مقدم کیا۔ فضلی نے غالب کالونی کے باسیوں کو عظیم آباد کے لوگوں کا سلام پہنچایا۔ ان کا کلام ان کا مختصر اور دلچسپ تعارف تھا جسے سب نے پسند کیا، فضلی صاحب نے رازدارانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔

بھاگلپور کی ایک خاتون تھی فضلی آپا
آپا نے آنگن میں آم کا پیڑ لگایا
جس نے کھایا اُس نے آموں کا گن گایا
میٹھا اور رسیلا سب کے من کو بھایا
جو بھی اس کو کھائے وہ لے رب کا نام
اس لیے کہتے ہیں اس کو فضلی آم
کھانے والے کو دیتا ہے یہ آرام
کھا کر تم بھی دیکھو یہ ہے اصلی آم

فضلی آم کے فضل و کمال کو سن کر سامعین جیسے نشے میں آگئے۔ بیچارے داد دینا ہی بھول گئے۔ ہوش آیا تو دیکھا فضلی صاحب کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ ان کی یہ ادا بزرگوں کو پسند آئی اور انھیں درازیِ عمر کی دعا دی گئی۔

اب تک شاعروں نے 'تحت' میں اپنا کلام سنایا تھا۔ سامعین کچھ ترنّم سے سننا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ 'نسیم توتا پری' کو آواز دینے لگے۔ امجد راجہ پوری نے سامعین کے سُر میں سُر ملاتے ہوئے کہا کہ صاحبو! میں بھی نسیم بھائی توتا پری کا عاشق

ہوں، بس، بھی انھیں بُلاتا ہوں، چنانچہ نسیم توتا پری مشکل سے اُٹھتے ہوئے ڈائس تک آئے اور آتے ہی چھا گئے۔ سامعین نے ان کے ایک ایک مصرع کو اس طرح اٹھایا جیسے طشتری سے آم کی قاشیں اٹھاتے ہیں۔ نسیم توتا پری نے اپنے دلنواز ترنّم میں اپنا ہوش رُبا کلام سنایا۔ یوں کہیے کہ چند مصرعوں میں ’توتا پری‘ کی پوری تاریخ سمٹ آئی تھی۔

آم کیا ہے اِک صلائے عام ہے توتا پری
کون کہتا ہے خیالِ خام ہے توتا پری
گرچہ سستا ہوں جسامت میں مگر کافی بڑا
جانچنے والوں کی اُمیدوں پہ اُترا ہوں کھرا
رہنے والا ہوں جنوبی ہند کا سچ ہے مگر
مجھ کو پاؤ گے مرا دعویٰ ہے جاؤ گے جدھر
دور سے پہچانتے ہیں چوسنے والے مرے
آم کے بازار بھی لگتے ہیں مجھ سے ہی بھرے
میں غریبوں کا ہوں میوہ، اُن کو مجھ سے پیار ہے
یوں لگے ہے میرے دم سے آم کا بیوپار ہے

توتا پری کے ایک ایک شعر پر لوگوں نے جی بھر کے داد دی۔ شکریہ ادا کرتے کرتے وہ تھک کے چور ہوگئے۔ مشاعرہ کھلے میدان میں ہو رہا تھا۔ نہ منڈپ تھا اور نہ منڈپ کی چھت۔ اگر چھت ہوتی تو اسے اُڑنے میں دیر نہ لگتی، کیا عجب کہ وہ توتا پری کو ساتھ لے کر اُڑ جاتی۔ بارے توتا کی ٹیم نے خوب رنگ جمایا۔ مشاعرے کا اب جو رنگ بن تھا اسے قائم رکھنا کسی معمولی شاعر کے بس کی بات نہ تھی۔ اس لیے رنگ میں بھنگ نہ ہو ناظم مشاعرہ نے مزاح گو جناب وسیم لنگڑا کو دعوتِ سخن دی اور کہا ’لوگو! لنگڑا صاحب کا جیسا نام ہے ویسا ان کا کام نہیں ہے۔ وہ جسمانی طور پر بہت فٹ ہیں۔ لنگڑے ہو کر دیار دیار گھومتے رہتے ہیں اور نام کماتے ہیں۔ جیسے ہی ان کا نام پکارا گیا وہ بڑی تیزی سے پھدکتے پھدکتے مائک کے قریب آئے اور مائک کو پکڑ کر قریب قریب جھول گئے۔ ان کی اس حرکت سے منچلے سامعین لوٹ پوٹ ہوگئے۔ کئی گوشوں سے لنگڑے لنگڑا کی آوازیں بھی سنائی دیں، مگر وسیم صاحب دعائیں دیتے رہے۔ پھر بولے ’معزز خواتین و حضرات! میں جانتا ہوں کہ میں آپ کا مرغوب آم ہوں۔ آپ نے ہمیشہ مجھے سراہا ہے۔ میرا کلام میرے دل کی آواز ہے۔ مجھے امید ہے یہ میرے دل سے نکل کر سیدھے آپ کے دل میں اُتر جائے گی۔ ملاحظہ فرمایئے۔

نام لنگڑا، وطن بنارس ہے
یعنی میرا چمن بنارس ہے

مطلع سن کر ایک من چلے نے آواز کسی ’واہ لنگڑا واہ، کیا شعر مارا ہے...

لنگڑا صاحب نے پیشانی پر شکن لائے بغیر کلام کا سلسلہ جاری رکھا۔

نام پر مجھ غریب کے نہ ہنسو
شرط یہ ہے کہ پہلے مجھ کو چکھو

اتنا سننا تھا کہ محفل زعفران زار ہوگئی۔ ان کا ہر شعر ان کی زندگی کا ترجمان تھا۔

لنگڑے مالک کا ایک خواب ہوں میں
اپنے طبقے میں لاجواب ہوں میں
مجھ کو کھانے میں کیا ہے اندیشہ
سچ تو یہ ہے کہ میں ہوں بے ریشہ
جی نہیں بھرتا کھاؤ جتنی بار
رس بھرا، میٹھا اور خوشبو دار

لنگڑا صاحب کے شعر لنگڑے آم سے زیادہ مزہ دے گئے۔

وسیم لنگڑے کی واہ واہ کو دیکھتے ہوئے 'سفیدہ' لال پیلا ہونے لگا۔ اناؤنسر صاحب بھانپ گئے۔ انھوں نے معاملے کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے 'سفیدے' کی شان میں چند جملے کہے اور پھر بڑے ادب سے یعنی کھڑے ہوکر سفیدہ صاحب کو دعوتِ کلام دی۔ سفیدہ اپنا تمتماتا سرخ چہرہ لیے سامنے آئے۔ سامعین نے ان کا والہانہ استقبال کیا۔ سفیدہ نے بغیر تقریر اور تشریح کے اپنا کلام سنایا۔ ان کے کلام کا لوگوں نے بہت لطف اٹھایا۔

مزہ بھی کچھ الگ اور رنگ بھی اُجلا سفیدہ کا
ہر اِک چھوٹا بڑا، کھوٹا کھرا، شیدا سفیدہ کا
نہیں شاید تمھیں مقبولیت کا میری اندازہ
عجب کیا ہے کہ کل کہلاؤں میں آموں کا شہزادہ!
جو کہتے ہیں کہ آموں میں سفیدہ ہے بہت بودا
انھیں معلوم کیا صاحب کہ مجھ میں ہے بہت گودا
اسی گودے سے سب بیرو وجوس لسی بناتے ہیں
جسے خود شوق سے پیتے ہیں اوروں کو پلاتے ہیں

سفیدہ نے اپنی تعریف میں جو کچھ کہا وہ سفید جھوٹ ہرگز نہیں تھا بلکہ سولہ آنہ سچ تھا۔ اب جس آم شاعر کی باری تھی وہ اسٹیج کے پیچھے اور اوپر لوگوں کی توجہ کا مرکز تھا۔ اُس آم کو 'نیلم' کہتے ہیں۔ صاف ستھرا لبادہ اور غضب کا جلال و جمال۔ جنابِ صدر 'چوسا' اور مہمان شاعر 'ہاپوس' بھی بار بار نیلم کی طرف متوجہ ہوتے جاتے تھے، مگر نیلم اپنی ہی شان میں مست تھا۔ ناظمِ مشاعرہ نے جب خورشید نیلم کو زحمتِ کلام دی تو اسے سب نے اپنے لیے باعثِ رحمت سمجھا۔ مگر یہ کیا نیلم نے بہت اختصار سے کام لیا اکڑتا ہوا آیا اور بدکتا ہوا چلا گیا۔ جاتے جاتے یہ چند شعر دے گیا۔

میں نیلم ہوں، مجھے معلوم ہے سب مجھ پہ مرتے ہیں
مگر کچھ لوگ بس یوں ہی میری شہرت سے جلتے ہیں
بڑے بازار میں پہلے پہل جو آم آتا ہے
وہ نیلم ہی تو ہے جس کا زباں پر نام آتا ہے
پہل کرتا ہوں آنے میں، مگر جاتا ہوں آخر میں
میں آنے جانے والوں کو نہیں لاتا ہوں خاطر میں

اب صرف تین شاعر باقی تھے۔ تینوں آن بان والے، اونچے مقام اور اونچے دام والے تھے۔ ایک 'دسہری' دوسرے مہمان شاعر 'ہاپوس' اور تیسرے جنابِ صدر 'چوسا'۔ محفل میں موجود ان آموں کے شیدا ان پر فدا ہونے کو تیار بیٹھے تھے۔ سب سے پہلے 'دسہری' کو محفل کے روبرو بلایا گیا۔ مناسب قد و قامت کے جواں سال دسہری اپنے روایتی لباس میں پوری رعنائی کے ساتھ موجود تھے۔ اِدھر انھوں نے کلام سنانا شروع کیا اُدھر لوگ جھومنے لگے۔ کلام کیا تھا دسہری کی پوری تاریخ و جغرافیہ چند آسان لفظوں میں سمٹ آیا تھا۔

دیہاتی ہو یا ہو شہری
سب کو بھائے آم دسہری
میں کہلاؤں آموں کی مل
اُتر بھارت کی ہوں بلبل
لذت میں ہوں میں لاثانی
دیس میں ہے میری ارزانی
ماہِ جون ہو یا جولائی
میری ہوتی ہے زیبائی
کرتے سب ہیں میری بڑائی
ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی

جب 'ہاپوس' کی باری آئی تو صفیں اُلٹ گئیں۔ ہر کوئی مہمان کو دیکھنے کے لیے بیقرار تھا۔ ایک بڑے میاں کو شرارت سوجھی، ہاپوس کو دیکھ کر بولے، ارے! تو کہاں چھپ گیا ہے کٹھور، دیکھ تیرے چاہنے والے دردر بھٹکتے رہے ہیں... بزرگ کی باتوں کو سن کر 'ہاپوس' نے کوئی جواب نہ دیا۔ بدستور چپ رہے... سامعین نے ہاپوس سے کئی چبھتے ہوئے سوال کیے۔ آپ ملکی ہوکر غیر ملکی کیوں ہوگئے ہیں؟ اپنوں سے ملنے میں اتنا تکلف کیسا ہے؟ ہم سے رہ و رسم رکھنے میں آخر کیا قباحت ہے... مگر ان تمام سوالوں کا 'ہاپوس جی' نے کوئی جواب نہ دیا۔ مسکرانے کے بجائے منہ پھلائے رہے۔ طوعاً و کرہاً اپنا کلام سنایا، کلام کیا سنایا اپنی اکڑخوں کا مظاہرہ کیا۔

آم پھلوں کا راجہ ہے، تو میں آموں کا راجہ ہوں
میں ہی دولھا، میں ہی براتی، میں ہی باجا گاجا ہوں
رتناگیری کا میں جانے کب سے راج دُلارا ہوں
بلساڑ اور نوساری والوں کی بھی آنکھ کا تارا ہوں
مجھ سے الفت کرنے والے میرے ناز اُٹھاتے ہیں
ہر قیمت پر وہ مجھ کو بازار سے ڈھونڈ کے لاتے ہیں
آم ہوں لیکن خاص ہے میرا رتبہ باہر والوں میں
تصویریں بھی اکثر میری چھپتی ہیں اخباروں میں
گھر والے اب تو میری تصویر سے جی بہلاتے ہیں
لیکن وہ مجھ سے ملنے سے جانے کیوں کتراتے ہیں؟

کلام سنا کر 'ہاپوس میاں' پتلی گلی سے سٹک گئے، کسی کو دکھائی بھی نہ دیے۔ لوگوں کو ان کی یہ غیر شاعرانہ حرکت اچھی نہیں لگی۔ مگر چونکہ وہ مہمان تھے اس لیے لوگ صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔

اب جناب صدر 'چوسا حضرت' کی باری تھی۔ ہاپوس کا غم بھول کر لوگوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ آتے ہی چوسا صاحب نے چوکوں اور چھکوں کی برسات کر دی۔ بڑا معیاری کلام تھا اور بڑی شستہ زبان میں گفتگو ہو رہی تھی۔ خوب داد پائی خوب نام کمایا۔ ایک ایک شعر 'شور' کو بڑھاتا گیا۔ چوسا جی پورے فارم میں اپنا کلام سنا رہے تھے۔

جب بھی کوئی چوسا کی داستاں سناتا ہے
شیر شاہ سوری کا نام یاد آتا ہے
شیر شاہ نے ہی تو میرا نام رکھا ہے
ان کی رائے میں چوسا آم سب سے اچھا ہے
رنگ و روپ میں چوسا دیکھو کتنا اعلا ہے
اور ذائقے میں بھی آم یہ نرالا ہے
ہند و پاک میں تنہا اس کا بول بالا ہے
جنگ کے اندھیرے میں امن کا اجالا ہے
حکمران آپس میں جب کلام کرتے ہیں
خاص کام ایسے میں اُن کے آم کرتے ہیں
دوست ایک دوجے کو آم پیش کرتے ہیں
اصل میں محبت کا جام پیش کرتے ہیں

چوسا زندہ باد، چوسا پائندہ باد کے نعروں کے بیچ امجد راجہ پوری بمشکل مشاعرے کے اختتام کا اعلان کر پائے۔ دمِ رخصت آموں کے چاہنے والے اپنے اپنے آموں کے گن گا رہے تھے... آموں سے منسوب یہ تمثیلی مشاعرہ سوپر ہٹ ثابت ہوا۔ باذوق سامعین کو یہ کہتے سنا گیا کہ آموں کے موسم کے رخصت ہونے پر بھی یہ مشاعرہ اگلے سیزن تک آموں کی یاد کو تازہ کرتا رہے گا۔

■

Mohd Rafi Ansari
'Al-Madni Complex' 734 Bhusaar Mohalla
Bhiwandi - 421308
Distt.: Thane, (Maharashtra)

■ منصور خوشتر

ماں کی ممتا

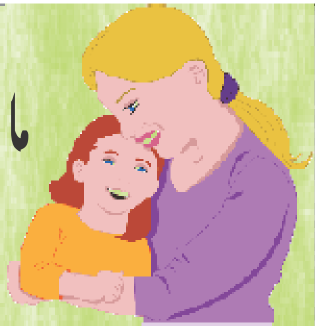

رکھی تھی شرطِ وفا عاشق سے اک معشوق نے
دل وہ اپنی ماں کا لائے کاٹ کر اِس کے لیے

اُس نے اپنی ماں کا دل پہلو سے کر ڈالا جدا
اور ہتھیلی پر اُسے رکھ کر چلا وہ دوڑتا

راہ میں ٹھوکر لگی اور منہ کے بل گر ہی پڑا
ماں کے دل سے تب یکا یک آئی اک ایسی صدا

"پیارے بیٹے! چوٹ تو زیادہ نہیں تم کو لگی
شرط پوری کر اِسی میں ہے اگر تیری خوشی"

ماں کی ہستی کا نہیں دنیا میں ہے ثانی کوئی
اُس کے دل میں خاص اک خوبی خدا نے ہے رکھی

ماں کی اِس ممتا کا حق کیا ہو ادا اولاد سے
کر دعائے خیر ہی خوشتر سدا ان کے لیے

■

Dr. Msnsoor Khushtar
Editor : Sahmahi "Darbhanga Times"
Purani Munsefi, Drbhanga - (Bihar)

■ انصار احمد معروفی

پیڑ پودے کتنے کام کے؟

پیڑ اور پودے دیتے ہیں بچو! ہمیں دوا
پودوں سے کتنی ملتی ہے تازہ ہمیں غذا
پودے اگر نہ ہوں تو ہمیں پھل نہ مل سکے
پودے بنا ہمارا نہ آگے قدم بڑھے
کاغذ بنایا جاتا ہے پیڑوں کی شاخ سے
ایندھن نکالا جاتا ہے پیڑوں کی شاخ سے
کاغذ اگر نہ ہوتا تو تم لکھتے کس طرح؟
لکھا ہوا نہ ہوتا تو پھر پڑھتے کس طرح؟
کیا کھاتے کیسے جیتے؟ نہ ہوتے یہ پودے جب
زندہ بھی رہ نہ پاتے کوئی جانور بھی تب
گوشت اور دودھ کام بھلا آتے کتنے دن
جب جانور کو چارہ ہی ملتا نہ آئے دن
پودوں کی اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ
ذی روح چاہے جو بھی ہو پودوں سے ہے جڑا

■

Ansar Ahmad Marufi
Baluwa Kurthi Jafarpur
Mau 275305 (UP)

حمیرہ فردوس

ماں

بھلے سیکھا ہو میں نے پہلا لفظ ابا
پر میری ہر سانس، ہر دھڑکن میں تو ماں
جب کبھی گھبرا کر میں نے آنکھ کھولی
تیری آواز تیرا ساتھ پایا ماں
اگر تو نہ ہوتی پاس میرے
کیسے جیتی، میں تنہا
میں تو تڑپ کے رہ جاتی اکیلی
میری ہر شرارت پر کون ہنستا
میری غلطیوں پر کون ڈپٹتا
خیر! ڈانٹتے تو ہیں مجھ کو
پر تیری ڈانٹ کا انداز جدا ماں
کرتی ہوں تجھ کو بہت پریشان ماں
کرتی ہوں میں کام ایسا کہ کھاؤں تیری ڈانٹ
تو جو نہ ساتھ ہوتی، نہ تو میرے پاس ہوتی

لوگوں کی نظروں سے کون بچاتا مجھ کو
اپنے آنچل میں کون چھپاتا مجھ کو
ڈر سے لڑنے کی ہمت کون دیتا مجھ کو
تیری ڈانٹ میں بھی ہے مزہ ماں
سوچ کر ڈر لگتا ہے کیسے رہوں گی جدا تجھ سے ہو کر
تو بھی کبھی کبھی رُلا دیتی ہے مجھ کو
سوچنے پر مجبور کر دیتی مجھ کو
جب تو کہتی ہے مجھے جانا ہوگا
سسرال میرا ٹھکانا ہوگا
رات میں، ڈروں تو کس کے پاس جاؤں گی
مجھے دور چلی جاؤں کتنا بھی
تجھ سے تیرے دل سے نہ جاؤں گی
بس میری دعا ہے خدا، سلامت میری ماں رہے

Humaira Firdos Shaikh Ramzan Maniyar
Al-Hasanat Urdu High School
Rasalpur, Taluqa, Raver
Distt.: Jalgaon (Maharashtra)

عادل رشید

شبراتن بُوا

شبراتن بوا نے اپنی زندگی کے پچپن سال قدیر میاں کی ڈیوڑھی پر خدمت گزاری کرتے کرتے گزار دیے تھے۔ جب وہ اس حویلی میں پہلی دفعہ داخل ہوئی تھیں تو ان کی عمر سات برس تھی۔ وہ اس وقت سات برس کی ایک معصوم بچی تھیں اور اب وہ ستاون سال کی ایک ایسی بڑھیا تھیں جن کی کمر کسی قدر جھک گئی تھی، سر کے بال سفید ہوگئے تھے، چہرے پر جھریاں پڑ گئی تھیں اور اب تو ان کی آنکھوں سے بھی کم دکھائی دینے لگا تھا اور وہ تو بالکل نہ دیکھ سکتیں اگر ان کے مالک قدیر میاں نے ان کی آنکھوں پر ایک چشمہ نہ چڑھوا دیا ہوتا۔

قدیر میاں شبراتن بوا کی بڑی عزت کرتے تھے۔ وہ انھیں بوا کہتے تھے۔ قدیر میاں کی بیگم خالدہ بھی انھیں بوا ہی کہہ کر مخاطب کرتی تھیں اور قدیر میاں کے تینوں بچے بھی انھیں بوا ہی کہتے تھے۔ سارا گھر شبراتن بوا کی بڑی عزت کرتا تھا۔

شبراتن بوا جب اس حویلی میں آئی تھیں تو قدیر میاں اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ شبراتن بوا کے آنے کے پورے چار برس بعد قدیر میاں پیدا ہوئے تھے۔ شبراتن بوا اس وقت گیارہ برس کی تھیں۔ ان ہی شبراتن بوا نے، جو اس وقت صرف شبراتن کہی جاتی تھیں، قدیر میاں کو گودوں کھلا کر ہوش و حواس کا کیا تھا۔

قدیر میاں اور ان کے بھائی بہن سب شبراتن کو شبراتن بوا کہتے تھے اور پھر جب قدیر میاں کی شادی ہوگئی اور ان کی دلہن خالدہ اس گھر میں بیگم بن کر آئیں تو شبراتن بوا ہی نے انھیں ڈولے پر سے اتار کر سجی سجائی مسند پر لے جا کر بٹھایا تھا۔

اب وہ زمانہ تھا کہ قدیر میاں ہی اس حویلی کے مالک تھے۔ ان کی بہن کی شادی ہو چکی تھی اور ان کا بھائی صغیر جو عمر میں ان سے چار سال چھوٹا تھا، لندن میں ڈاکٹر تھا اور وہیں جا کر بس گیا تھا۔

شبراتن بوا نے نہ جانے کیوں شادی نہیں کی تھی۔ وہ اسی حویلی میں سب کی خدمت میں مگن تھیں۔ بچپن سے لے کر جوانی اور جوانی سے لے کر اس عمر تک پہنچ جانے کے باوجود وہ دن دن بھر اور رات کے بارہ بارہ، ایک ایک بجے تک گھر کے کاموں میں لگی رہتی تھیں۔ زندگی اسی طور گزر رہی تھی کہ ایک دن بڑا ناخوش گوار واقعہ ہوا۔

”سرفراز میاں!“ شبراتن بوا نے قدیر میاں کے منجھلے بیٹے سرفراز کو، جس کی عمر ابھی صرف چودہ برس تھی، بڑے پیار سے سمجھایا۔ ”یہ بری بات ہے میاں۔ تم اتنی رات گئے تک گھر سے باہر نہ رہا کرو۔“

”کیوں؟“ سرفراز نے بڑی بدتمیزی سے کہا۔

”اس طرح اتنی رات گئے تک بچے باہر رہ کر بگڑ جاتے ہیں۔“ شبراتن بوا بولیں۔

”بچے بگڑ جاتے ہیں؟“ سرفراز نے اسی تیز لہجے میں کہا۔

شبراتن بوا پیار اور ملائمیت سے سمجھانے کے طور پر بولیں، ”ہاں میاں—“

”تو تمھیں کیا؟ تمھارا بچہ تو کوئی ہے نہیں۔“

”ارے!“ شبراتن بوا کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ”تو کیا تم میرے بچے نہیں ہو؟“

”میں تمھارا بچہ ہوں؟“

میں تو آج تک ایسا ہی سمجھتی آئی ہوں بیٹے۔“

”خبردار جو مجھے بیٹا ویٹا کہا— کہے دے رہا ہوں ہاں—“ سرفراز نے اور زیادہ بدتمیزی کی۔ ”خدا نہ کرے کہ میں نوکرانی کا بیٹا ہوں۔“

شبراتن بوا کا موںہہ فق ہوگیا۔ ان کے کلیجے پر بڑے زور کا گھونسا پڑا۔ لیکن وہ سنبھل کر بولیں، ”میں نوکرانی سہی میاں، لیکن...“

”چپ رہو، ذلیل بڑھیا!“ سرفراز آگ بگولہ ہوگیا۔ ”میں سمجھ گیا ہوں کہ تم اس طرح کی باتیں کرکے ابا جان کو یہ جتا دینا چاہتی ہو کہ میں راتوں کو دیر سے گھر آتا ہوں۔ تم ابا جان سے کیا چاہتی ہو۔“

”نہیں میرے لال، یہ بات نہیں۔ میں تو.....“

”اب چپ بھی رہے گی کہ نہیں؟“

”لیکن میاں.....“

”اس طرح نہیں مانے گی یہ بڑھیا۔“

یہ کہہ کر سرفراز نے شبراتن بوا کے جھریوں بھرے گال پر بھرپور طمانچہ جڑ دیا اور شبراتن بوا چکرا کر اسی جگہ گر پڑیں۔

”خبیث بڑھیا!“ سرفراز بڑے جھلائے ہوئے انداز میں برآمدے سے اندر کمرے میں جا ہی رہا تھا کہ اس کی ماں خالدہ کا بھرپور طمانچہ اس کے گال پر پڑا اور پھر وہ اسے دیوانہ وار پیٹنے لگی۔

”کمینے، گستاخ! بے ادب! نالائق!“ وہ اسے برا بھلا دیوانہ وار پیٹتی جا رہی تھیں کہ شبراتن بوا دہائیاں دیتی ہوئی آئیں۔

”نہیں نہیں دلہن بی بی، خدا کے لیے نہیں۔ جانے دیجیے۔“

اور پھر گھر کے اور لوگ بھی آ گئے۔

”کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟“ سرفراز کے ابا جان قدیر میاں نے پوچھا۔ اور سرفراز کا دم بالکل ہی نکل گیا اور جب قدیر میاں کو یہ ساری باتیں، بڑی بیگم کی زبانی معلوم ہوئیں تو قدیر میاں نے سرفراز کو مارتے مارتے بے حال کردیا۔

گھر کے سارے ممبر کمرے میں جمع تھے۔ سرفراز اپنا سر آگے کیے بیٹھا تھا اور قدیر میاں ایک واقعہ سنا رہے تھے—

”ایک لڑکے نے اپنے گھر کی ملازمہ کے ساتھ بدتمیزی کی۔ اس لڑکے کا باپ نہیں تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ صرف ماں تھی اور اس کی ماں نے جب یہ سنا تو اس نے اپنے بیٹے کی اس بدتمیزی پر اسے بہت مارا اور مار پیٹ کر اسے گھر سے باہر نکال دیا اور گھر سے باہر نکال کر اس نے گھر کا دروازہ بند کرلیا۔“

قدیر میاں نے منہ بنایا۔

”اور یہ دسمبر کی ایک سرد ترین رات تھی۔“

”اس سردی میں ماں نے بیٹے کو گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کرلیا؟“ ان کی بیٹی نجمہ نے سردی میں ایک زور کی جھرجھری لی۔

”ہاں— اسی طرح کا دسمبر کا مہینہ تھا بیٹی۔“ قدیر میاں نے کہا ”اور رات تھی۔ بہت زیادہ سردی پڑ رہی تھی۔“

”اتنی ہی زیادہ۔“

”اس سے بھی زیادہ۔“ قدیر میاں نے بتایا ”اس لیے کہ یہ بمبئی ہے بیٹی، جہاں یوپی سے بہت ہی کم سردی پڑتی ہے اور یہ واقعہ جو بالکل سچا ہے، یوپی کا ہے۔“

"اچھا!"

"ہاں بیٹی ـــ" قدیر میاں نے اپنی بات جاری رکھی، "اور اس ماں نے اپنے بیٹے کی اس بدتمیزی پر اُسے صرف ایک لنگوٹی میں گھر سے باہر نکال کر گھر کی کنڈی بند کر لی تھی۔"

"صرف ایک لنگوٹی میں۔"

"ہاں بیٹی ـــ اور اس کے اس بیٹے کی عمران صاحب زادے سرفراز سے آدھی تھی۔"

"بڑی بے رحم تھی وہ ماں" نجمہ کے منہ سے نکلا۔

"نہیں بیٹی۔" قدیر میاں نے کہا "وہ ماں بے رحم بالکل نہیں تھی بلکہ وہ ایک آورش قسم کی ماں تھی۔ وہ اپنے بیٹے کی صحیح معنوں میں اصلاح کر رہی تھی۔ اسے ایک آدرش قسم کا بہت بڑا آدمی بنانا چاہتی تھی وہ ماں۔"

"پھر کیا ہوا پاپا؟"

"گھر والوں نے لاکھ منت سماجت کی۔ نوکروں نے بھی خوشامد کی کہ وہ اپنے بیٹے کو اندر بلا لے لیکن اس ماں نے کسی کی سفارش اور کسی کا کہنا نہ مان کر اپنے اس معصوم بیٹے کو رات بھر باہر ہی سردی میں پڑا رہنے دیا۔"

"رات بھر!" کئی آوازیں حیرت اور رحم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ٹکرائیں۔

"ہاں رات بھر۔" قدیر میاں بولے۔ "اور پھر صبح کو گھر والوں کی منت سماجت پر اس ماں نے اپنے بیٹے کو گھر میں بلایا اور جب تک کہ اُس بیٹے نے اپنی اُس ملازمہ سے جس کے ساتھ اس نے بدتمیزی کی تھی ہاتھ جوڑ کر معافی نہیں مانگی، ان کی ماں نے اسے معاف نہیں کیا۔" پھر قدیر میاں نے کہا، "اور جانتے ہو تم لوگ کہ وہ ماں کون تھی اور وہ بیٹا کون تھا؟"

"نہیں نہیں۔ بتائیے پاپا۔"

"تو لو سنو۔" قدیر میاں نے بتایا "وہ ماں تھیں بی اماں۔ اور وہ بیٹا تھا محمد علی۔" پھر قدیر میاں نے وضاحت کی۔ "خالی خولی محمد علی نہیں جو لاکھوں ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ وہ محمد علی تھے جنھیں آج ساری دنیا مولانا محمد علی جوہر کے نام سے جانتی مانتی اور ان کی عزت کرتی ہے۔ مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی کے چھوٹے بھائی۔ علی برادران، جن کی ماں کو ساری دنیا بی اماں کے نام سے جانتی اور یاد کرتی ہے۔" قدیر میاں نے اپنی بات جاری رکھی۔ "مولانا محمد علی ـــ آزادیٔ وطن کے سورماؤں میں سے ایک بڑے ہیرو، جنھوں نے اپنے وطن ہندوستان کی آزادی کے لیے انگریز سے، اس برٹش سامراج سے ہمیشہ جنگ کی اور پھر خانۂ کعبہ میں اپنے وطن کی آزادی کے لیے رات بھر سجدہ ریز رہ کر دعا کرتے کرتے مر گئے۔ بار بار سجدہ میں پڑے پڑے یہی کہتے رہے کہ اب وہ غلام ملک میں ہرگز نہ جائیں گے۔ جائیں گے تو اپنے وطن کی آزادی کا پروانہ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے جائیں گے۔ ورنہ یہیں ان کی قبر بن جائے گی ـــ اور پھر وہیں ان کی قبر بن گئی۔ قدیر میاں نے جذبات میں ڈوب کر کہا اور پھر انھوں نے قہر آلود نظر سے سرفراز کی طرف دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا "تم نے ہماری شبراتن بوا، ہماری ماں کے ساتھ بہت بڑی گستاخی کی ہے۔ لہٰذا تم اس وقت گھر سے باہر نکل جاؤ بدذات بے رحم!" پھر انھوں نے اپنے بیٹے امجد سے کہا: "تم اس کے سارے کپڑے اُتروا کر اس کم بخت کو صرف ایک نیکر میں گھر سے ہمیشہ کے لیے باہر نکال دو۔ امجد ابھی نکالو اسے، ابھی اور اسی وقت!"

وہ غصے میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوگئے اور سرفراز اُسی لمحے شبراتن بوا کے قدموں پر گر کر زور زور سے رونے اور معافی مانگنے لگا۔

شبراتن بوا اُسے اٹھا کر اپنے گلے سے لگا چکی تھیں۔

■

مرتضیٰ ساحل تسلیمی

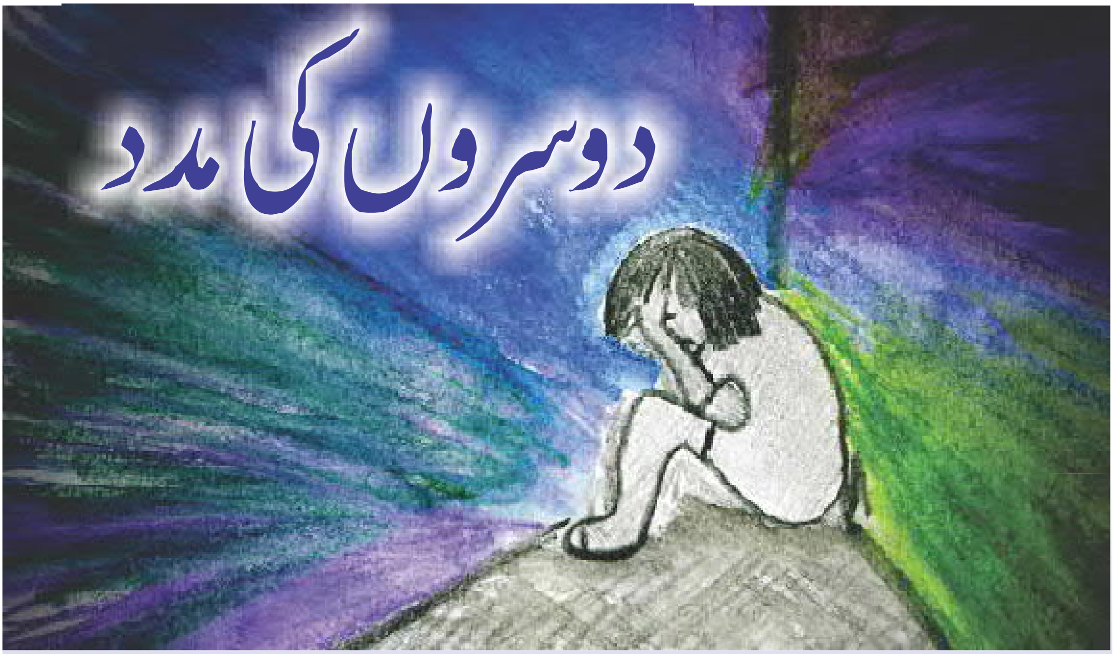

دوسروں کی مدد

''ارے میرے بیٹے کو کیا ہوا؟ ساری شرٹ خون میں تر بہ تر ہے..... کہاں چوٹ لگی کیا رکشہ میں سے گر گئے تھے؟''

سعد جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے ان کی امی نے سوالوں کی بوچھار کر دی۔

''ارے امی ریلیکس..... ہمیں کچھ نہیں ہوا ہے۔''

وہ گھبرا کر سعد سے لپٹ گئیں۔ سر ٹٹولنے لگیں.....

''کہاں چوٹ لگی ہے؟''

''امی آپ ریلیکس ہو جایئے..... ہمارے کوئی چوٹ ووٹ نہیں لگی ہے.....'' سعد نے بتانا چاہا۔

''تو پھر شرٹ پر اتنا سارا خون کہاں سے آ گیا...؟''

انھوں نے پھر ایک سوال داغ اور سعد کا جواب سنے بغیر باتھ روم کا ڈور زور زور سے تھپتھپانے لگیں۔

''اب ذرا آپ بھی چلیے نا! دیکھیے سعد خون میں لت پت آئے ہیں.....''

اسعد صاحب بھی گھبرا کر تولیہ لپیٹے باہر آ گئے ''کیا ہوا بیٹے! تمھاری شرٹ کیسے لال ہو رہی ہے؟''

''پپا ہم ابھی سب بات بتا دیں گے۔ پہلے ہمیں کپڑے چینج کرنے دیں..... امی تو سن ہی نہیں رہی ہیں.....''

سعد نے بتایا..... ''پپا ہمارے اسکول میں ایک لڑکا ہے راشد۔ وہ بھی فِفتھ کلاس میں ہے۔ بس سیکشن بدلا ہوا ہے۔ ہم اُسے جانتے ہیں۔ وہ پیدل ہی اسکول جاتا ہے..... آج جب وہ جا رہا تھا تو کئی کتے آپس میں لڑ رہے تھے۔ وہ جب ایک دوسرے پر بھونکے تو راشد ڈر گیا اور گھبرا کر ان سے بچنے کے لیے بھاگا اور ایک سائیکل سے ٹکرا گیا۔ اس کا سر پھٹ گیا۔ سائیکل والا جلدی جلدی سائیکل چلا کر بھاگ گیا..... راشد وہیں کراہتا بیٹھ گیا۔ اتنے میں ہمارا رکشا اس کے قریب پہنچ گیا۔ ہم نے بابو بھائی سے کہا ''رکشا روک لو''..... وہ بولے ''آپ کو دیر جو ہو جائے گی۔'' ہم نے کہا ''ہونے دو ہم راشد

کی مدد کریں گے۔" ہم نے راشد کو رکشا میں بٹھا لیا اور اس کے گھر پہنچا دیا۔"

"مگر تمھاری شرٹ اس قدر خراب کیسے ہو گئی۔"

"پپا راشد کو چکر آ گیا تھا..... وہ رکشا سے گرا جا رہا تھا اس لیے ہم نے اس کو خوب دبوچ لیا تھا۔" سعد نے بتایا۔

"مگر آپ کا تو آج پیپر تھا، کیا وہ نہیں دیا؟" امی نے پوچھا۔

"پیپر دے دیا..... جب اسکول پہنچے تو ہم آدھا گھنٹہ لیٹ ہو گئے تھے۔ گیٹ والے چچا میاں نے ہماری شرٹ پر خون دیکھ کر گیٹ کھول دیا اور اندر لے گئے..... ہیڈ مس باہر ٹہل رہی تھیں۔ انھوں نے دیکھا تو وہ بھی امی کی طرح ہم سے سوال کرنے لگیں۔ ہم نے جب ساری بات بتائی تو ہمیں کلاس میں بھیج دیا اور ہم نے پیپر حل کر دیا۔"

"اللہ تیرا شکر ہے کہ پیپر نہیں چھوٹا۔" امی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا اور بولیں "یہ تم نے ٹھیک نہیں کیا۔ اگر آپ کا پیپر رہ جاتا تو.....؟"

"امی یہ بات آپ ٹھیک نہیں کہہ رہی ہیں۔ پپا نے ہمیں سمجھایا تھا کہ "بیٹا! دوسروں کی مدد کرنا چاہیے۔ خاص طور پر جب وہ کسی مصیبت میں ہوں اور آپ....."

"ارے بھئی آپ ہمارے بیٹے کو کچھ کھلایئے پلایئے یا یوں ہی اُس کا انٹرویو لیتی رہیں گی۔" سعد کے پپا نے سعد کی بات کاٹ کر اس کی ممی سے کہا اور پیار سے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"پپا ہم نے کیا غلط کیا؟" سعد نے پوچھا۔

"نہیں بیٹے آپ نے وہی کیا جو آپ کو کرنا چاہیے تھا..... مگر آپ بھی بہت چھوٹے ہیں، کیا اس پاس کوئی اُس کی مدد کرنے والا نہیں تھا؟"

"ارے پپا!" سعد نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔ "آپ کو تو معلوم ہوگا کہ 7 بجے دوکانیں کھلتی ہیں اتنی صبح تو بس اسکول کے بچے ہی آتے جاتے ہیں....."

شام کو راشد کے ابو آئے..... انھوں نے سعد کی بہت تعریف کی اور سینے سے لگا کر پیار کیا۔

اسکول میں ہیڈ مس نے بھی اپنے اسٹاف میں کہا کہ سعد بہت اچھا اور پیارا بچہ ہے..... اب اسکول میں بھی سب سعد کو پیار کی نظر سے دیکھنے لگے..... امتحان ہو گئے اور اسکول کئی دن کے لیے بند ہو گیا۔

آج رزلٹ آؤٹ ہونے والا تھا۔

اسمبلی میں پہلی دوسری اور تیسری پوزیشن لانے والے بچوں کے نام اناؤنس ہونا تھے۔ انھیں انعام ملنا تھے۔ کھیلوں اور دوسرے کاموں میں بھی اچھی کارکردگی پر انعامات تقسیم ہونا تھے۔

اسمبلی شروع ہوئی۔ قومی ترانہ اور دعا کے بعد حاضری اور اس کے بعد ہیڈ مس کی تقریر ہوئی۔ ہیڈ مس نے سعد کی خاص طور پر تعریف کی اور اسے اسٹیج پر بلا کر سب بچوں سے اس کا تعارف کراتے ہوئے راشد کے چوٹ لگنے کا واقعہ سنایا اور کہا "سعد نے جو کچھ پڑھا، جو نصیحت والدین نے کی اس پر عمل بھی کیا۔ دوسروں کی مدد کرنا بہت ثواب کا کام ہے۔ دوسروں کو بھی سعد کے اس اچھے کام سے سبق لینا چاہیے۔

سب نے زوردار تالیاں بجا کر اس کے کام کو سراہا۔ پھر اُسے ایک ٹرافی، پین اور ٹافی بکس انعام دیا۔

■

Murtaza 'Sahil' Taslimi
Muhallah Sh..ar K..ana
Rampur - 24490.. (UP)

عظیم اقبال

شیر کی درگت

ایک شیر ایک لکڑہارے کی بیٹی پر عاشق ہوگیا۔ شیر جواں سال اور طاقت ور تھا۔ اُس میں زندگی کا جوش و ولولہ تھا۔ وہ دہاڑتا تو سارا جنگل کانپ جاتا۔ لکڑہارے کی بیٹی حسین و خوب رو تھی۔ اُس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ اس کے بال گھنیرے تھے۔ اُس کی ہنسی بڑی موہنی تھی۔

شیر نے لکڑہارے کے پاس شادی کا پیغام بھیجا۔ اُس نے کوے کو بطور قاصد روانہ کیا۔ اسی طور سے کسی شریف آدمی کی دامادی کا شرف اُسے حاصل ہوسکتا تھا۔ حیوان ہونے کے ناطے لکڑہارے کے مقابلے اپنی کم تری کا شیر کو احساس تھا۔

کوے کے ذریعے اپنی بیٹی کے لیے شادی کے واسطے شیر کا پیغام پا کر لکڑہارا کشمکش و پیچ میں پڑ گیا۔ شیر ٹھہرا جنگل کا راجہ — خونخوار، بے رحم اور وہ ٹھہرا، غریب لکڑہارا — نادار، لاچار! اُسے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ جتنا سوچتا، اتنا ہی الجھتا۔ قرار کا سوال ہی نہ تھا۔ اقرار، اپنے ہاتھوں اپنی ہی جان لینے جیسا تھا۔ انکار کرنے میں لکڑہارے کو ڈر محسوس ہوا۔ انکار سے شیر کے خفا ہونے کا اندیشہ تھا۔ جنونی ہوکر جانے شیر کیا کچھ قہر ڈھا دے!

لہٰذا، اُس نے شیر کو اپنے گھر آنے کی دعوت دے دی تاکہ اس سلسلے میں آگے بات ہوسکے۔ اِس موقعے پر شیر اپنی ہونے والی دلہن کو دیکھ، سمجھ سکے۔ لڑکی بھی اپنے ہونے والے دولہے کی اچھائیاں، برائیاں جانچ پرکھ سکے۔ یوں، دونوں سے کسی فیصلے تک پہنچنے میں آسانیاں ہوتیں۔

لکڑہارے کی باتیں قاصد کوے کی معرفت شیر تک پہنچ گئیں۔ شیر نے آنے میں دیر نہ کی۔ چلنے سے پہلے اُس نے تھوڑی تیاری کرلی۔ اپنے بال سنوار لیے، اپنی آنکھوں میں سرمے کی سلائیاں پھیر لیں۔ مسکرانے اور پھر سنجیدہ ہونے کا عمل دہرایا۔ اپنی کامیابی کے بارے میں اُسے بھروسہ تھا۔

پہلے تو شیر کی شاندار دعوت ہوئی۔ شیر کی پسند کے کھانے تھے۔ طشت میں تازہ ذبح کیے ہوئے بکرے کی رانیں تھیں اور پیالے میں سرخ، گرم خون تھا۔ شیر نے بھی کھانے میں تکلف

سے کام نہ لیں۔ کھانے کے بعد دیر تک ڈکاریں لیتا رہا۔ پھر باتوں کا دور شروع ہوا۔ لکڑہارے نے اپنے لہجے کو متوازن بنانے کی کوشش کی۔

''تمھیں اپنا داماد بنانے کے لیے میں راضی ہوں۔'' لکڑہارا بولا — ''لیکن میری بیٹی تمھارے پنجوں اور دانتوں سے ڈرتی ہے! تمھیں اس کی اجازت دینی ہوگی کہ میں انھیں نکال دوں۔''

اپنے دل کی بات زبان تک لاتے لاتے لکڑہارے کی ساری جھجھک دور ہوچکی تھی۔ اُدھر پیٹ بھر کھانے کے بعد شیر مست تھا—

''میں تیار ہوں!'' شیر بولا۔

اپنے بزرگ کے سامنے سر جھکائے ہوئے شیر نے بڑی انکساری دکھائی۔ اُس کی آواز میں عاجزی تھی۔ اس کی آنکھیں جھکی تھیں۔

لکڑہارے نے اُس کے دانت اکھاڑ دیے اور اس کے پنجے تراش دیے۔ اپنے اوزاروں کے استعمال میں اُس نے مہارت دکھائی۔ درد سے شیر کے کراہنے سے بھی لکڑہارے کا دل نہیں پسیجا۔ شیر کی کراہ سے لکڑہارے کے دل میں گدگدی ہوگئی، لیکن اس نے اپنی ہنسی دبالی—

''کچھ پانے کی خاطر کچھ کھونا بھی پڑتا ہے!'' یہ سوچ کر شیر نے خود کو تسلی دی۔ یوں درد کے احساس کو دبا لیا۔

''کیا میرے لیے کوئی اور حکم ہے؟'' شیر نے انکساری سے پوچھا—

اُس نے منہ میں اُٹھتی ٹیسوں کی پرواہ نہ کی۔ اُس نے سوچا کہ کہیں کوئی کسر رہ گئی ہو تو وہ بھی پوری ہو جائے!

صرف کہنے کو وہ شیر نہ تھا، وہ تو واقعی شیر دل بھی تھا!

''ہاں!'' لکڑہارے نے اپنی کلہاڑی اٹھاتے ہوئے کہا— ''میرے گھر سے جلد سے جلد بھاگ جاؤ!''

یکایک لکڑہارے کا دھیما لہجہ بے حد تیز ہوگیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں تھمی کلہاڑی شیر پر برسنے کے لیے بے قرار لگ رہی تھی۔

پہلے تو شیر کے ماتھے پر بل پڑ گئے لیکن جلد ہی صحیح صورتِ حال اُس کی سمجھ میں آگئی — شیر کو احساس ہوگیا کہ اپنے دانتوں اور پنجوں کے بغیر وہ لاچار ہے۔ چاہ کر بھی وہ کچھ کر سکنے کا اہل نہ تھا۔ کسی کا کچھ بگاڑنا تو درکنار، وہ کسی کو ڈرانے، دھمکانے کے لائق بھی نہ رہا تھا۔

شیر دُم دبا کر چلتا بنا۔ اُس کی چال دھیمی اور بے جان تھی۔ اُسے بھاری کمزوری بھی دبائے ہوئی تھی—

■

Azim Iqbal
Adabistan, Ganj No.: 1
Bettiah - 845438 (Bihar)

ندیم راعی مرادآبادی

یہ موذی کینسر

پیارے بچو! آپ یہ تو جانتے ہی ہوں گے کہ بیڑی، سگریٹ، گٹکا، پان مسالہ کھانے سے لا علاج مرض کینسر ہو جاتا ہے۔ میں آپ کو اپنی آپ بیتی سناتا ہوں۔

بچو! میں اور میرا چھوٹا بھائی جب ہم دونوں ایک ساتھ میونسپل بورڈ کے اسکول میں پانچویں کلاس میں پڑھتے تھے اور اپنے کلاس کے سب سے زیادہ ہونہار بچوں میں ہمارا شمار ہوتا تھا ہمارے کلاس ٹیچر تھے۔ انظار حسین جو بڑی محنت اور شفقت سے پڑھاتے تھے ہم دونوں بھائی ہر معاملے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر کام کرنا چاہتے تھے چاہے وہ حصولِ تعلیم ہو کھیل کود یا پھر غلط کام ہی کیوں نہ ہو۔؟

ہم دونوں نے مئی جون کی چھٹیاں آم کے باغوں میں گذاریں، یہاں کی آب و ہوا، کھان پان ہینگ ہمارے گھر سے قدرے مختلف تھا لیکن بالکل الگ انوکھا اور خوش گوار تھا۔

آم کے باغ سے ملا ایک تالاب تھا۔ ہم دونوں اپنے قریبی گاؤں کے دوستوں کے ساتھ تالاب کی مٹی سے کھیلتے اور پھر ایک ساتھ نہاتے۔ تالاب کے کنارے کنارے جمی ہوئی گیلی مٹی لینے گاؤں کی عورتیں اور لڑکیاں یہاں آتیں جن کی ہم مدد کرتے اس مٹی سے آنے والی برسات سے اپنی جھونپڑیوں کو محفوظ کرنے کے لیے لپائی کرتیں اور دیواروں کو مضبوط بنانے کے لیے ان پر یہ مٹی منڈھ دیتیں، لیکن ہم ان گاؤں کے بچوں کے ساتھ مٹی کی ہولی کا کھیل کھیلتے اور پھر اس تالاب میں ڈبکی لگا کر اپنے جسم کی مٹی صاف کرتے یہ سلسلہ پورے دن چلتا رہتا۔

مئی کا آخری ہفتہ تھا قلمی (بمبیہ) آم قریب قریب تیار تھا۔ اکا دکا آم تیار ہو کر پیڑ سے ٹپک رہے تھے۔ جسے اٹھا کر ہم کھایا کرتے لیکن مجھے تو پورے دن میں ایک آدھ آم ہی دستیاب ہو پاتا لیکن میرے چھوٹے بھائی کے ہاتھ میں

ہر وقت کوئی نہ کوئی پکا آم رہتا۔ میں متعجب تھا کہ مجھے تو بمشکل تمام پورے دن میں ایک یا دو آم ہی ہاتھ لگتے تھے اور وہ کئی آم حاصل کر لیتا۔ میں نے جب تفتیش کی تو پتہ چلا کہ ہمارے ملازمین (باغ کے رکھوالے) اسے یہ پکے آم مہیا کراتے تھے۔ جس کے عوض وہ ان کو بیڑی پینے کے لیے دیتا اور خود بھی بیڑی پیتا۔ بس پھر کیا تھا میں قریب کے گاؤں کے بازار گیا اور اسٹار سگریٹ کا ایک پیکٹ لے آیا۔ خود بھی سگریٹ پی اور ان ملازمین کو بھی سگریٹ آفر کی اور اب پکے آم مجھے بھی دستیاب ہونے لگے۔ سگریٹ پینے اور پلانے کا سلسلہ برقرار رہا۔ ہم دونوں بھائی بیڑی سگریٹ پینے کے عادی بن گئے۔

باغوں سے واپسی کے بعد گھر لوٹنے پر بھی یہ عادت بنی رہی۔ اسکول میں چھپ چھپ کر ہم دونوں بیڑی سگریٹ جو بھی ہاتھ لگتا پیتے۔ ایک دن ہمارے کلاس ٹیچر ماسٹر انظار حسین نے ہمیں بیڑی پیتے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور ہم دونوں کو بری طرح پیٹ دیا ہماری پیٹھ اور ہاتھ لال کر دیے اور اپنی جیب سے دواؤں کی پوٹلی نکال کر ہمیں دکھاتے ہوئے کہا کہ وہ بس بیڑی سگریٹ پینے کی وجہ سے بیمار ہیں اور بیماری بھی ایسی جس کا کوئی علاج نہیں یعنی موذی کینسر کی۔

آگے نہایت افسردہ آواز میں کہا کہ وہ اس دنیا میں صرف چھ سات مہینے کے مہمان ہیں اس کے بعد ان کی موت یقینی ہے۔ ماسٹر صاحب کی ان باتوں کا ہم دونوں پر کوئی اثر نہیں ہوا ہم نے بیڑی سگریٹ پینا نہیں چھوڑا۔

ٹھیک چھ ماہ بعد ماسٹر انظار حسین کے انتقال کی خبر جیسے ہی ہم دونوں نے سنی ہم زار و قطار روئے۔ یہ خبر ہمارے لیے کسی سزا سے کم نہ تھی اور ہم نے اس وقت عہد کر لیا کہ ہم سگریٹ بیڑی کو کبھی ہاتھ نہیں لگائیں گے اور دوسرے لوگوں کو بھی تاکید کریں گے کہ وہ بیڑی سگریٹ پان مسالہ کھینی کا استعمال نہ کریں کیونکہ اس کے استعمال سے لاعلاج مرض کینسر ہونے کا خطرہ ہے۔

■

Nadeem Rayee
198, Chaudhry House, Galshaheed
Muradabad - 244001 (UP)

ابرار جمیل

نظمیں

1

اُم کلثوم نام ہے میرا
گھر میں اونچا مقام ہے میرا
اپنے ماں باپ کی دلاری ہوں
ان کی نظروں میں سب سے پیاری ہوں
میری ہر بات مانی جاتی ہے
چھوٹی ہوکر بڑوں پہ بھاری ہوں
روز اسکول پڑھنے جاتی ہوں
علم سے جی نہیں چراتی ہوں
پیار سے جب بھی کوئی کہتا ہے
نظم پڑھ کر اُسے سناتی ہوں
اچھی تقدیر لے کے آئی ہوں
اچھی سیرت خدا سے پائی ہوں
اچھی باتیں پسند ہیں مجھ کو
اچھی چیزوں کی میں فدائی ہوں
کھیلنا پڑھنا کام ہے میرا
اُم کلثوم نام ہے میرا

2

صبح ہوئی اب جاگو بچو!
لے کر بستہ بھاگو بچو!
پڑھنا لکھنا محنت سے
کام جو کرنا ہمت سے
گھر آکے نہ ٹی وی دیکھو!
یاد رہے یہ بی بی دیکھو!
پڑھ لکھ کے کچھ کام کرو
جگ میں روشن نام کرو
پڑھ لکھ کر انسان بنو
اپنے وطن کی شان بنو
سب کی عزت کرو سدا
فرض بھی اپنا کرو ادا
ہاں! ابرار نہ جانا بھول
جانا ہے تم کو اسکول

Abrar Ahmed Abrar
351, Patre Ki Chawl, Ansar Mohalla
Bhiwandi - 421302 (Thane)

منظور عباس

عزم و ہمت کی کامیاب ملکہ

بچو آؤ تمھیں ایک بادشاہ کے دورِ حکومت کا واقعہ سناتا ہوں۔ جو عبرتناک ہے۔ ماضی میں کافی عرصہ ہوا ایک ایسا بھی بادشاہ گزرا ہے جو روزانہ اپنی رعایا میں سے کسی بھی لڑکی سے شادی کرتا اور اسے ایک رات کی دلہن بنا کر دوسرے دن صبح قتل کر دیتا تھا۔ اس کا یہ معمول بن گیا تھا۔ تمام رعایا اس کی اس حرکت سے پریشان تھے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ایک دن بادشاہ کا دربار لگا ہوا تھا۔ بادشاہ نے وزیر کو بلا کر کہا۔ وزیر تمھیں کچھ خبر ہے کل میں جس لڑکی سے شادی کروں گا اور ایک شب گزار کر اسے قتل کر دوں گا وہ کون لڑکی ہے۔ وزیر نے کہا نہیں حضور مجھے نہیں معلوم ہے آپ بتائیں۔ بادشاہ نے کہا وہ تمھاری بیٹی ہے۔

وزیر نے جیسے ہی یہ سنا اس کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اس کو صرف دو بیٹی تھی اور بیٹی جیسی نعمت سے وہ جدا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ بادشاہ سے اس نے منت کی لیکن بادشاہ ظالم تھا۔ اس نے ایک نہ سنی۔ وزیر غمزدہ اپنے گھر آیا۔ زوجہ نے مایوسی کی وجہ پوچھی۔ وزیر نے ساری باتیں بتا دیں۔

یہاں تک کہ وزیر کی بڑی لڑکی کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی۔ وہ غمزدہ ہو گئی۔ وزیر اپنی بیٹی کو سینے سے لگا کر رونے لگا۔ بیٹی نے کہا! ابا جان آپ ہمیں ہمت و حوصلہ دیں کہ میں کسی طرح بھی اس قتل کو بند کرا دوں اور معصوم بے گناہ لڑکیاں قتل نہ ہوں۔

بادشاہ نے وزیر کی بیٹی سے شادی کر لی اور اس کی بیٹی کی وہ رات آئی جو آخری رات تھی۔ وہ دلہن بن کر بیٹھی ہوئی تھی۔ بادشاہ اس کے کمرے میں آیا۔ اسے دیکھا فوراً پوچھا یہ لڑکی جو تمھارے ساتھ ہے کون ہے۔ وزیر کی بیٹی نے جواب دیا یہ میری چھوٹی بہن ہے جو ہم سے بہت مانوس ہے میرے بغیر نہیں رہ سکتی ہے۔

میں اسے روزانہ رات میں ایک کہانی سناتی ہوں۔ آج اس نے مجھ سے کہا میری پیاری آپا جان! اب تو آپ ہم سے جدا ہو جائیں گی۔ اسی لیے میں اسے ساتھ لے آئی ہوں۔

بادشاہ نے کہا کہ اچھا میں بھی کہانی سننے کا شوقین ہوں۔ میں بھی ضرور کہانی سنوں گا۔ ظالم حکمراں نے حکم صادر کیا۔ وزیر کی لڑکی نے کہانی کہنا شروع کی۔ کہانی اتنی دلچسپ تھی کہ بادشاہ اسے بغور سنتا رہا اور وزیر کی چھوٹی بیٹی بھی سنتی رہی۔ جہاں کہیں یہ وزیر کی لڑکی کہانی سناتے سناتے خاموش ہوتی تو بادشاہ کہتا آگے کیا ہوا۔ بتاتی جاؤ۔ وزیر کی لڑکی کہانی سناتی رہی۔

اچانک لڑکی نے کہا اب تو سحر کی سفیدی نمودار ہو رہی ہے اور بہت جلد صبح ہو گی۔ آپ مجھے قتل کر دیں گے اس لیے میں اپنی کہانی ختم کر رہی ہوں۔ بادشاہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا تم بہت اچھی کہانی سناتی ہو اور یہ کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی

ہے۔ میرا دل بے چین ہے کہ آخر آگے کیا ہوا۔ لیکن صبح ہوگئی اور کہانی ادھوری ہے۔ لہٰذا میں تمھیں آج صبح میں قتل نہیں کروں گا۔ جب تم آج رات کی کہانی سنا کر ختم کر دوگی میں تمھیں قتل کر دوں گا۔

شادی کے بعد دوسری رات آئی۔ بادشاہ کے حکم سے لڑکی نے کہانی شروع کی۔ پھر پہلی رات کی طرح بادشاہ کہانی سنتا رہا اور کہتا رہا تم کہانی سناتی رہو۔ صبح ہوگئی اور کہانی ختم نہیں ہوئی۔ بادشاہ نے کہا تم تو بہت باکمال لڑکی ہو۔ میں نے آج تک ایسی کہانی نہ پڑھی نہ سنی۔ بادشاہ نے قتل کا ارادہ پھر ملتوی کیا۔ اسی طرح ہر روز کہانی ادھوری رہتی اور بادشاہ لڑکی کی جان بخشتا رہا۔

وزیر کی بیٹی ایک ہزار راتوں تک بادشاہ کو کہانی سناتی رہی۔ اسی درمیان وزیر کی بیٹی کو ایک خوبصورت چاند سا بیٹا پیدا ہوا۔ بادشاہ باپ بن چکا تھا۔ اولاد کی محبت جاگی اور اسی کے ساتھ بیوی کی محبت جاگی۔ اسی درمیان اس بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ اب اس لڑکی کو قتل نہیں کرے گا اور ہمیشہ کے لیے یہی اس کی بیوی رہے گی۔

بچوں آپ نے دیکھا اس لڑکی نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا۔ اس نے اپنے دماغ و عقل کا استعمال کر کے اپنے عزم و حوصلہ کو پست نہیں ہونے دیا اور کامیاب ہوگئی۔ اس نے آئندہ تمام لڑکیوں کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ اگر ہم بھی اپنے عزم و حوصلہ کو قائم رکھیں گے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کریں گے تو یقیناً ہم بھی کامیاب ہوں گے۔

■

Manzar Abbas
C/o: Peyare Hasan
Dariyapur, Parna - 4 (Bihar)

جوابات

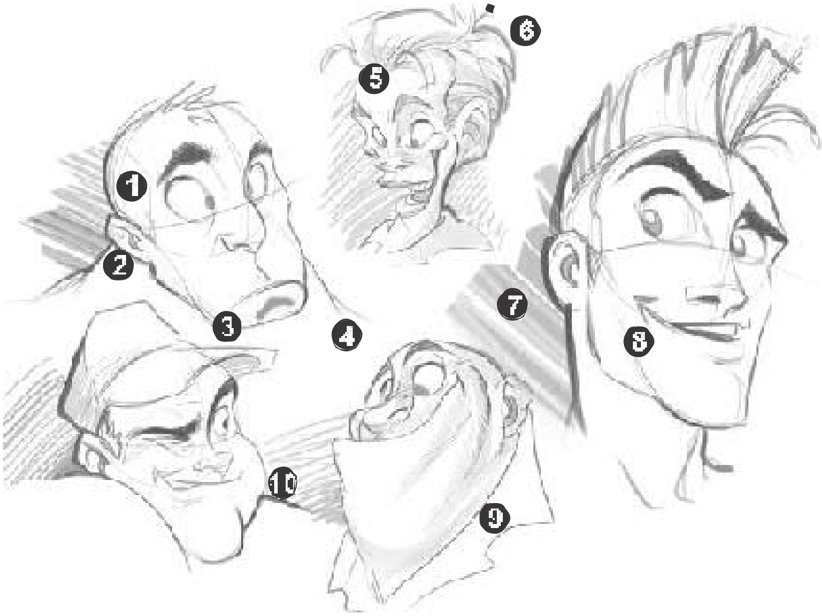

پہیلیاں
جوابات: (1) انسان (2) الیکٹری سٹی (3) چونا (4) پرندے، سر، پر، پیر)

عبدالوہاب قاسمی

ادب کی اہمیت

یاسر کے پاس ایک خوبصورت کتاب تھی۔ جب بھی اسے وقت ملتا وہ اس کو پڑھتا.... کبھی ہنستا.... کبھی اپنے من میں کچھ گنگناتا......اور کبھی اچانک چپ چاپ صرف ورق الٹا کرتا تھا......!!

اس کی بہن ادیبہ برابر اس کا یہ انداز دیکھتی اور پریشان ہوتی......ایک دن پوچھ لیتی ہے......!!

بھیا......! آپ جب بھی اس کتاب کو پڑھتے ہیں......تو آپ کا خوش ہونا.....اچھلنا......گنگنانا ......اور پھر خاموش ہو جانا......دیکھنے لائق ہوتا ہے......! آخر یہ کیسی کتاب ہے اور کیا ہے اس میں ؟؟

اسی دوران یاسر نے ہنستے ہوئے بہن کو اپنے پاس بلایا اور کتاب میں لکھا یہ شعر گنگنانے لگا

ہر دل پہ مری دھاک بٹھادے اللہ
دنیا کو کرشمہ یہ دکھادے اللہ
لوگوں کی نگاہوں میں جواں کردے مجھے
بچہ ہوں تو کیا مونچھ اگا دے اللہ

(چہکاریں: ظفر کمالی)

دونوں ہنسنے لگتے ہیں......یاسر مزے لے لے کر کچھ دیر تک اس ٹکڑے کو دہراتا رہا:

''مونچھ اگادے اللہ..........دنیا کو کرشمہ یہ دکھادے اللہ......''

یاسر کے ہاتھ سے کتاب لے کر ادیبہ الٹتی پلٹتی ہے۔ ہر ورق پر اسے چار چار لائن کی ایک مخصوص شعری ہیئت نظر آتی ہے فوراً وہ یاسر سے سوال کرتی ہے !

بھیا یہ کتاب تو ویسی نہیں ہے جو ہم روز اسکول میں پڑھتے ہیں......؟؟

ہاں......!! یاسر نے جواب دیا......یہ کتاب ویسی تو نہیں ہے مگر یہ ہم بچوں کے لیے ہی لکھی گئی ہے......! اس میں جو چیز لکھی ہے، اسے ''شاعری'' کہتے ہیں جو ادب کہلاتا ہے......!!

ادیبہ کے لیے ''شاعری'' اور ''ادب'' دونوں نئے الفاظ تھے۔ وہ ان دونوں کے معانی سے واقف ہونا چاہتی تھی۔ یاسر سے اس کا اگلا سوال تھا......!

بھیا ''شاعری'' اور ''ادب'' یہ دونوں کیا ہوتے ہیں......؟

بہن کا سوال سن کر یاسر کو اپنا وہ وقت یاد آیا وہ بھی ان الفاظ کے معانی نہیں جانتا تھا۔

وہ ادیبہ سے مخاطب ہوا کہ:

”دیکھو...! ہم نے بھی تمھاری طرح جب یہ الفاظ پہلی بار سنا تھا تو کچھ ایسے ہی سوالات کے جوابات خود میں نہ پا کر جاننے کی تڑپ پیدا ہوئی تھی......مگر ایک دن کلاس میں اسی طرح کا ایک سبق آ گیا......استاد نے پڑھاتے ہوئے ان دونوں کے بارے میں بہت لمبی تقریر کی...... جو میرے اوپر سے گزر گئی......مگر کچھ باتیں یاد ہیں۔

استاد نے کہا تھا......!!

”بچو......!! آج تم سب ایک نیا سبق پڑھنے جا رہے ہو۔ اس میں ایک خوبصورت نظم ہے، جسے 'شاعری' کہتے ہیں۔ شاعری ایک نغمہ اور گیت کی طرح ہوتی ہے۔ کم الفاظ میں ڈھیر ساری باتیں کہی جاتی ہیں۔ جو اس کو لکھتا ہے اس کو شاعر کہتے ہیں۔ یہ بڑوں کے ساتھ بچوں کے لیے بھی لکھی جاتی ہے۔ بچوں والی شاعری بالکل آسان زبان اور الفاظ میں ہوتی ہے۔ تاکہ بچے سمجھ سکیں اور خوب مزہ لے کر پڑھیں۔ اس لیے اس میں کھلونا، مٹھائیاں، پھل، پھول، پرندے، جانور، پہاڑ، چاند، ستارے، صبح، شام، ندی، دریا، پیڑ، بچوں کی آپسی شرارت، کھیل کود، اسکول، کتاب، بستہ، جہاز، ریل اور راکٹ وغیرہ پر شاعر اچھے شعر کہتا ہے۔ جو زبان پر خود بخود جاری ہو جاتے ہیں۔ اردو میں بڑے بڑے شاعروں نے بچوں کے لیے شاعری کی ہے۔ غالب، اقبال، اسمٰعیل میرٹھی، افسر میرٹھی اور شفیق نیر جیسے بڑے ادیبوں نے بچوں کے ادب پر لکھا ہے۔

یہاں تک بتانے کے بعد ہمارے استاد کتاب پڑھانے لگتے ہیں کہ اسی دوران ساحل نے کھڑے ہو کر استاد سے پوچھا:

استاد صاحب...... ”شاعری“ کو تو ہم لوگوں نے سمجھ لیا مگر ”ادب“......!!

ارے ہاں بچو......! استاد نے جواب دیا......!

دراصل 'ادب' دو حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ ایک کو نثری ادب کہا جاتا ہے اور ایک کو شعری ادب۔ کہانی، افسانہ، ناول اور ڈراما نثری ادب میں شامل ہے جب کہ نظم اور غزل شعری ادب کہلاتی ہیں......!!

یہاں پر میں آپ کو ایک اور بات بتا دوں کہ اب دنیا میں بہت سے لوگ بچوں کا ادب لکھ رہے ہیں۔ بہت سے میگزین بچوں کے لیے ماہنامے اور ہفتہ وار کی شکل میں شائع ہو رہی ہیں، جن میں مزے مزے کی باتیں ہوتی ہیں۔ چٹکلے، کہانیاں، کہاوتیں، علمی مضامین، شاعری اور دنیا بھر کی سیر کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہوتا ہے۔ ایسے میگزین پڑھنے سے زبان آتی ہے اور اچھی اچھی باتیں معلوم ہوتی ہیں“

ساحل نے استاد کا شکریہ ادا کیا اور اپنی جگہ لی۔

اچانک یاسر اور ادیبہ کے ابو گھر میں داخل ہوئے......

ادیبہ دوڑ کر ابو سے لپٹ گئی......اور کہنے لگی ......ابو......کل جب آپ اپنے آفس سے گھر آئیں گے تو میرے لیے ادب کی ایک اچھی کتاب خرید لائیں گے......!

ابو نے ہاں کہتے ہوئے......ادیبہ کو گود میں اٹھا لیا......!!

■

Abdul Wahab Qasmi
Iqra Public School, Soorapur
Haq Nagar, Seewan-(Bihar)

محمد کلیم اللہ آزاد ندوی

لالچی کسان

کسی گاؤں میں نافع نام کا ایک آدمی رہتا تھا وہ بہت ہی کنجوس، بخیل اور مکھی چوس تھا۔ اس کے دل و دماغ میں ہمیشہ لالچ اور حرص سمایا رہتا تھا۔ وہ اپنے کھیت پر گیہوں کی فصل کی خود رکھوالی کرتا تھا اور کھیت پر کسی کو نہیں آنے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ کھیت کے اناج کی ایک بالی تک کسی کو کھانے نہیں دیتا تھا۔

منمن چڑیا روزانہ صبح صبح کھیت پر آتی اور گیہوں کی کچھ بالیاں اپنی چونچ میں بھر لے جاتی تھی۔ نافع نے دیکھا تو اس کے پاؤں سے زمین کھسک گئی اور اس کو بڑا غصہ آیا۔ بھلا وہ کیسے برداشت کرتا کہ اس کی محنت کا اناج یوں ہی چلا جائے؟

ایک دن وہ کھیت میں تاک لگا کر بیٹھ گیا اور جال پھیلا دیا، صبح صبح جب منمن چڑیا دانا لینے آئی تو وہ جال میں پھنس گئی۔ یہ دیکھ کر نافع خوش ہو کر بولا، ننھی سی چڑیا تو بڑی شیطان ہے۔ میرا آدھا کھیت ختم کر دیا۔ اب میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

منمن بولی ”کسان بھیا مجھے آپ چھوڑ دیجیے میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں وہ بھوکے ہیں میں ان کے لیے دانا پانی لے جاتی ہوں تاکہ ان کا پیٹ بھر سکوں۔“

نافع نے اب سخت اور کڑک ہو کر کہا ”تم تو پہلے چوری کرتی ہو اور اب سینہ زوری دکھا رہی ہو۔ میں تمھیں بادشاہ سلامت کے دربار لے جا کر سزا دلواؤں گا۔ تم نے میرا آدھا کھیت اجاڑا ہے۔ میں تمھارا گھونسلہ اجاڑوں گا نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔“

یہ سن کر منمن روتے ہوئے بولی۔ نافع بھیا تمھارے بھی بال بچے ہوں گے ذرا ان کا دھیان کرو اور مجھے چھوڑ دو اگر میرے جیسا برتاؤ آپ کے ساتھ ہو تو کیسا لگے گا آپ کو۔ یہ کہہ کر چڑیا گانے لگی ”ننھے ننھے بچے میرے، بھوکے، پیاسے بیاکل ہوں گے، ان کا گھر جاڑا تو، آندھی میں اڑ جائیں گے، مینہ برسا تو بھیگ جائیں گے، دھوپ لگی تو کمھلائیں گے۔“

نافع کا پتھر دل اس کی درد بھری فریاد پر بھی نہیں پگھلا۔ وہ چڑیا کو پنجرے میں بند کر کے راج دربار میں فریاد کرنے چلا گیا۔

اس وقت وہاں سے ایک اجنبی شخص گھوڑوں والے رتھ سے گزر رہا تھا۔ چڑیا کے گانے کو سن کر وہ بھیس بدل کر وہاں آ گیا۔ منمن نے انھیں دیکھ کر فریاد کی وہ گانے لگی۔ ”ننھے ننھے بچے میرے

بھوک پیاس سے بیاکل ہوں گے، ان کا گھر اجاڑا تو آندھی میں اڑ جائیں گے، مینہ برسا تو بھیگ جائیں گے، دھوپ لگی تو کمھلائیں گے۔" گیت سن کر بوڑھے شخص بنے اجنبی نے نافع سے کہا۔ "تم اس معصوم چڑیا کو چھوڑ دو یہ غریب ماں ہے اگر تمھارے کھیت سے کچھ گیہوں کی بالیں لے گئی تو اس میں کیا ہوا؟"

نافع بولا "بڑا دیندار بن رہا ہے اگر تم کو اتنی ہی ہمدردی ہے تو تم میرا جرمانہ دے دو۔"

بوڑھا شخص بولا۔ "ارے لالچی اور حریص کسان تم میری بات نہیں مان رہے ہو لیکن میں تمھارا حساب کر دیتا ہوں تمھارا جو نقصان ہوا ہے اس کے بدلے میرے بارہ گھوڑوں میں سے اپنی پسند کا ایک گھوڑا لے لو اور اسے چھوڑ دو۔"

نافع کے من میں اب لالچ بڑھ گیا اس نے سوچا اس چڑیا کا گیت سن کر یہ بوڑھا شخص ایک گھوڑا دے رہا ہے اگر بادشاہ سلامت اس کا گیت سنیں گے تو مجھے اور بھی زیادہ رقم ملے گی اس نے بوڑھے شخص سے کہا۔ "میں یہ سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ میں تو راجا کے دربار میں فریاد کر کے انصاف کی اپیل کروں گا۔"

یہ کہہ کر وہ راجا کے دربار میں چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے راجا سے فریاد کی۔ "بادشاہ سلامت یہ چڑیا بڑی سیانی اور چالاک ہے اس نے میرا آدھا کھیت اجاڑ دیا ہے۔ روزانہ چوری کرتی تھی میں نے اسے آج رنگے ہاتھوں پکڑا ہے آپ اسے سخت سزا دیجیے۔"

منمن چڑیا روتے ہوئی بولی "بادشاہ سلامت میں چور نہیں ہوں اپنے معصوم بچوں کے لیے دو چار بالیاں ضرور لے جایا کرتی تھی میں نے اس کا کھیت نہیں اجاڑا ہے۔ آپ مجھے اس اجڈ، جاہل کسان کے چنگل سے چھڑا دیجئے۔" وہ گانے لگی:

"ننھے ننھے بچے میرے بھوک پیاس سے بیاکل ہوں گے، ان کا گھر اجاڑا تو آندھی میں اڑ جائیں گے، مینہ برسا تو بھیگ جائیں گے، دھوپ لگی تو کمھلائیں گے۔"

گیت سن کر راجا اور درباریوں کا دل پگھل گیا۔ راجا نے کہا "نافع تمھارا دل نہیں پگھلا اس کے بچوں پر تم اسے چھوڑ دو ہم تمھارا لگان معاف کرتے ہیں۔"

نافع کے من میں لالچ اور زیادہ ہو گیا اور وہ کہنے لگا "بادشاہ اس نے میرا جو نقصان کیا وہ بہت زیادہ ہے میں آپ کی رعایا ہوں۔ انصاف کی بھیک مانگنے آیا ہوں۔ آپ انصاف کریں۔" بادشاہ نے وزیر سے کہا "وزیر میری خواہش ہے کہ ہم اس کے کھیت کا معائنہ کریں جو بھی نقصان ہوگا اسی مناسبت سے انصاف کریں گے چلنے کی تیاری کرو۔"

یہ سن کر نافع کی حالت پتلی ہو گئی وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا اور کہنے لگا "بادشاہ آپ کیوں اتنی تکلیف اٹھائیں گے آپ کے نازک پیروں کو تکلیف ہوگی اگر آپ کہتے ہیں تو میں چڑیا کو چھوڑ دیتا ہوں۔"

اس پر بادشاہ نے کہا "نافع تم نے ہمیں انصاف کے لیے کہا ہے اب ہم کھیت پر جا کر ہی انصاف کریں گے۔"

بادشاہ اپنے وزیروں اور درباریوں کے ساتھ کھیت پر گیا لیکن وہاں تو نظارہ ہی دوسرا تھا۔ اس کے کھیت کا کچھ بھی نقصان نہیں ہوا۔ یہ کمال اس اجنبی شخص کا تھا۔

بادشاہ نے منمن چڑیا کو نافع کے چنگل سے آزاد کرایا۔ نافع کو سخت سے سخت سزا دی اور اس کا لگان بھی بڑھا دیا۔ نافع اپنے لالچی برتاؤ پر ناراضگی کا اظہار کر رہا تھا۔ لالچ نہ کرتا تو اس کو سیر و تفریح کے لیے مفت میں گھوڑا مل جاتا۔ زیادہ کے چکر میں اس سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

■

Mohd Kalimullah Azad Nadvi
At+Po- Bhelahi, Ps- Maheshi
Distt. Saharsa - 852216 (Bihar)

شارقہ شفتین

پانی

تابش تم یہ کیا کر رہے ہو؟
کتنی دیر سے نہا رہے ہو؟

کتنا پانی برباد کرتے ہو۔ راشدہ زور سے باتھ روم کا دروازہ پیٹتے ہوئے تابش کو نل بند کرنے کے لیے حکم دیتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ تمہاری بہت گندی عادت ہے۔ تم ہر وقت پانی برباد کرتے ہو۔ جب تمھیں منہ دھونا ہوتا ہے اس وقت بھی تم نل کھلا چھوڑ دیتے ہو اور پانی بہتا رہتا ہے اور جب نہاتے ہو تو نہیں معلوم کتنا بالٹی پانی ضائع کرتے ہو۔ اب چلو جلدی نکلو، ورنہ اسکول کے لیے دیر ہو جائے گی۔

ماں کی باتیں سن کر تابش نل بند کر کے تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے باتھ روم سے نکلتا ہے اور کہتا ہے:

''مما تو کیا ہوا مجھے پانی کی آواز اچھی لگتی ہے، مجھے پانی سے کھیلنا پسند ہے''۔

بیٹے کی بات کو کاٹتے ہوئے راشدہ کہتی ہے ''بیٹا یہ بری بات ہے، پانی بہت قیمتی شے ہے، اسے فضول برباد کرنے سے گناہ بھی پڑتا ہے۔''

اور تم جانتے ہو روز بروز پانی کی سطح نیچے ہوتی جا رہی ہے۔ کئی جگہوں پر پانی کی بہت قلت ہے، لوگ پانی خریدتے ہیں۔ جیسے نانی کے یہاں دہلی میں۔

تابش لاپروائی سے کہتا ہے.... تو کیا ہوا ہمارے یہاں تو پانی کی آسانی ہے اور ممی میں پانی برباد نہیں کرتا، نہاتا ہوں۔

راشدہ بیٹا کو سمجھاتے ہوئے کہتی ہے اسے نہانا نہیں کہتے نہانے کے لیے ایک بالٹی پانی کافی ہے۔

تابش ماں کی بات اچکتے ہوئے کہتا ہے او کے مما مجھے لنچ دیں میرے اسکول کی بس آتی ہوگی۔

راشدہ بھی کچن کی طرف بڑھ جاتی ہے اسے لگنے لگا ہے اس سلسلے میں تابش کو کچھ سمجھانا بے کار ہے۔

راشدہ کام کرتے ہوئے سوچتی ہے تابش کتنا اچھا بچہ

راشدہ خوش ہوکر بیٹے کو پیار کرتی ہے۔

تابش کہتا ہے مما ایک بات اور کہنی ہے۔ راشدہ بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہتی ہے وہ کیا؟

تابش اسکول کی ڈائری بڑھا دیتا ہے۔ جس میں لکھا تھا ''پروجیکٹ کے سلسلے میں ساتویں کلاس کے بچوں کو گاؤں ٹور پر لے جایا جا رہا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے اس ٹور میں جائیں تو آپ اجازت نامہ پر دستخط کر دیں''۔

پرنسپل......

ڈائری پڑھنے کے بعد راشدہ بیٹے سے مخاطب ہوتی ہے۔ ''تو آپ گاؤں دیکھنا چاہتے ہیں۔''

تابش پیار سے کہتا ہے: ''ہاں مما! آج تک میں نے گاؤں نہیں دیکھا۔ کیا آپ کا اور پاپا کا کوئی گاؤں تھا؟''

راشدہ افسوس سے کہتی ہے ''ہاں تھا بیٹا لیکن دادا دادی کی موت کے بعد پھر ہم لوگ گاؤں نہیں جا سکے۔ ہمیں اپنی پڑھائی سے فرصت نہیں ملی اور ابو کو اپنے بزنس سے۔''

تابش جوش سے کہتا ہے میں جاؤں گا گاؤں اور دیکھوں گا کہ گاؤں میں لوگ کیسے رہتے ہیں۔

راشدہ کہتی ہے ٹھیک ہے پہلے آپ پاپا سے اجازت لے لیں اس کے بعد خوش ہوئیے گا۔

تابش خوش ہو جاتا ہے اور اسکول کا ہوم ورک کرنے لگتا ہے، پڑھائی میں ہمیشہ اول آتا ہے۔ سارے کام وقت پر کرتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ سے کئی بار ٹنکی بھرنی پڑتی ہے۔ اس کی یہ چھوٹی چھوٹی بری عادتوں سے میں پریشان ہوں اور جب منع کرو تو خود دس ایکسکیوز دے ڈالے گا۔ کاش اس کی یہ عادت بدل جائے۔

مما کو سوچ میں ڈوبا دیکھ کر تابش کہتا ہے ''مما آپ کہاں کھو گئیں مجھے میرا ٹفن دیں''۔

راشدہ بیٹے کو لنچ دیکر اسے رخصت کرتی ہے اور گھر کے کاموں میں لگ جاتی ہے۔

دوپہر تک تابش گھر لوٹ آتا ہے۔ اور آنے کے بعد روز کے معمول کے مطابق گھنٹہ بھر نہاتا ہے۔ راشدہ کے دو تین بار آواز لگانے سے باہر آتا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد وہ بہت پیار سے کہتا ہے ''مما آج میں بہت خوش ہوں''

راشدہ کہتی ہے کیوں؟

کیونکہ آج مجھے میتھس میں سو میں سو آیا ہے۔

ہے۔ اب اسے انتظار تھا تو صرف اپنے پاپا کا۔

پاپا کے آتے ہی وہ قرینے سے ان کا جوتا رکھتا ہے۔ پانی لا کر دیتا ہے۔ بیٹا کی حرکت سے وسیم کو لگ رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ اس لیے وسیم بیٹے سے ڈائرکٹ پوچھتے ہیں "تابش آپ کو کیا چاہیے۔"

راشدہ مسکراتے ہوئے کہتی ہے: "آپ صحیح سمجھے.......

آپ سے گاؤں جانے کی اجازت چاہیے۔"

وسیم بیٹا کی طرف دیکھتے ہوئے کہتے ہیں گاؤں وہ کیسے؟

تابش پھر تفصیل سے بتاتا ہے کہ "اس کے اسکول سے پروجکٹ ورک کے لیے گاؤں لے جایا جا رہا ہے۔"

وسیم اجازت نامہ پر دستخط کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"آج کل کے بچوں کے لیے گاؤں دیکھنا بھی کسی عجوبے سے کم نہیں"۔

تابش خوش خوش پیپر اسکول بیگ میں رکھ لیتا ہے اور گاؤں جانے کی تیاری کرنے لگتا ہے۔

تابش کے جانے کے بعد راشدہ کو گھر سونا سونا لگ رہا تھا۔ آج پانی کی ٹنکی بھی بھری ہوئی تھی۔ ورنہ اب تک کئی بار بھرنا پڑتا۔

تین دن کے بعد تابش لوٹ آتا ہے۔ وہ کافی خوش تھا وہ گاؤں کے سیر و تفریح کے بارے میں ڈھیر ساری باتیں کرتا ہے۔ اس کی باتیں مجھے بھی اچھی لگ رہی تھیں، اپنے گاؤں جانے کی خواہش ہو رہی تھی۔ وہ کافی اشتیاق سے کہتا ہے کاش ممی ہم لوگ بھی ایک ساتھ گاؤں جا سکتے کبھی۔

لیکن گاؤں سے لوٹنے کے بعد راشدہ نے تابش کے اندر جس تبدیلی کو محسوس کیا وہ اس کے لیے کافی حیرت کن تھا۔ کیونکہ پانی کی ٹنکی معمول کے مطابق خالی نہیں ہو رہی تھی اور نہ ہی وہ اسکول سے آکر نہاتا۔ راشدہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ تبدیلی تابش میں کب آئی؟

اس نے بیٹے کا سر بھی ٹٹول کر دیکھا کہیں بخار تو نہیں۔ لیکن کھیلتا کودتا اور اسکول کا ورک کرتے دیکھ کر طبیعت خرابی کا کوئی گمان نہیں ہو رہا تھا۔ بیٹا سے پوچھنا چاہ رہی تھی لیکن خاموش رہ کر دیکھ رہی تھی کہ یہ تبدیلی وقتی تو نہیں۔ لیکن چند دنوں بعد راشدہ کو یقین ہو گیا کہ تابش بدل چکا ہے۔

ایک دن وہ بیٹے سے بہت پیار سے پوچھتی ہے:

"تابش اب آپ نہاتے وقت مستی نہیں کرتے، نل بھی دھیمے کھولتے ہیں، اور مجھے تو حیرت تب ہوئی جب آپ نے واشنگ مشین کا نل کھلا ہوا تھا اور آپ نے بند کر دیا"۔

ماں کی باتیں سن کر، تابش آنکھوں میں آنسو بھر کر

کہتا ہے:

مما آپ اور اللہ میاں مجھے معاف کردیں۔ آپ ٹھیک کہتی تھیں کہ پانی بہت قیمتی چیز ہے۔ اسے مت برباد کرو پر میں آپ کی باتیں نہیں سنتا تھا۔

بیٹا کو اس طرح گفتگو کرتے دیکھ کر راشدہ کو کافی حیرت ہوتی ہے وہ پیار سے بیٹے سے پوچھتی ہے کیا ہوا میری جان تم اس قدر اداس کیوں ہو۔

تابش کہتا ہے مما جانتی ہیں:

میں جب گاؤں گیا تو وہاں کی ہریالی، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں، کھلی فضا مجھے بہت اچھی لگیں۔ میں نے دیکھا کہ کسان کس طرح کھیتوں میں کام کر کے ہمارے لیے اناج اگاتے ہیں۔ لیکن جب میں ایک صبح اپنے دوستوں کے ساتھ باغیچہ میں کھیل رہا تھا تو کھیلتے کھیلتے میں ایک بوڑھی عورت سے ٹکرا گیا جو سر پر پانی کا مٹکا لیے چلی آرہی تھی۔ میرے ٹکرانے سے اس کا مٹکا ٹوٹ گیا اور وہ رونے لگی میں نے اس سے کہا ”بوڑھی ماں آپ کیوں روتی ہیں میرے پاس کچھ پیسے ہیں آپ رکھ لیجیے اور نیا مٹکا خرید لیجیے“

تو جانتی ہیں مما اس عورت نے کیا کہا؟

”میرے گھر میں اور بھی مٹکے ہیں لیکن پانی مجھے آج اور نہیں مل سکتا گاؤں میں صرف ایک کنواں ہے جس سے گاؤں والے کو روزانہ ایک بار ہی پانی ملتا ہے“۔

بڑھیا روتے روتے کہتی ہے اب میں اپنے بچوں کے لیے کھانا کیسے بناؤں گی۔ وہ تو بھوکے رہ جائیں گے؟

مما مجھے لگ رہا تھا میں کیسے اس بوڑھی ماں کے لیے پانی لادوں، جو اس طرح پانی کے لیے رو رہی ہے۔

وہ بڑھیا اٹھ کر جانے لگی تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا اور ایک بالٹی لے کر وہاں پہنچا جہاں تقریباً سو لوگ لائن لگائے اپنے پانی لینے کے انتظار میں کھڑے پسینہ بہا رہے تھے۔ تقریباً ایک سے ڈیڑھ گھنٹے بعد میرا نمبر آیا ہوگا۔

تب مما میں نے سوچا میں نہاتے وقت، ہاتھ دھوتے وقت کتنا پانی بہاتا تھا۔ آپ مجھے منع بھی کرتی تھیں پر میں آپ کی بات نہیں سنتا تھا۔

میں نے جب اس عورت کے لیے پانی لایا تو وہ بہت خوش ہوئی۔ میں نے ان سے پوچھا بوڑھی ماں گاؤں جیسے جگہ میں پانی کی اتنی قلت کیوں ہے؟

تو اس نے کہا ”جب سے گاؤں کے نزدیک فیکٹریاں بنیں، کارخانے بنے، یہاں پانی کی تکلیف بڑھ گئی۔ پانی کی سطح نیچے چلی گئی۔“

اور گاؤں والے اسی طرح پانی کی پریشانی سے روز گزرتے ہیں اور اکثر جھگڑے بھی ہوتے ہیں۔

تابش ماں سے لپٹتے ہوئے پیار سے کہتا ہے:

”اگر ہمارے شہر میں بھی پانی کی سطح نیچے چلی گئی تو ہم کیا کریں گے؟ شہر کی آبادی تو گاؤں سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ہم سب مل کر اپنے اپنے گھروں میں پانی کے استعمال پر دھیان دیں، اسے ضائع ہونے سے بچائیں تو ان لوگوں کو پانی مل سکتا ہے جہاں پانی کی قلت ہے۔“

بیٹے کی زبان سے اتنا سنجیدہ گفتگو سن کر راشدہ کی آنکھیں بھی بھر آتی ہیں اور وہ پیار سے بیٹے کو گلے لگا لیتی ہے اور خدا کا شکر ادا کرتی ہے کہ اس کی یہ بری عادت بھی چھوٹ گئی .....

■

Dr. Shariqa Shiftain
Baitul-Mukarram, Mahmood Shah Lane
Daryapur, Patna - 4 (Bihar)

جاوید اکرم

اتحاد

باہر آکر شیر دہاڑا
ہرن کو پکڑا چیرا پھاڑا
جنگل میں سناٹا چھایا
کوئی شیر کے پاس نہ آیا
شیر کے آگے کس کی چلتی
آئی، آخر کیسے چلتی
گول گول آنکھیں چمکائیں
ہوا میں پھر مونچھیں لہرائیں
راجہ جیسی شان دکھائی
سینہ تانا، لی انگڑائی
نیند کا نشہ چڑھنے لگا تھا
خطرہ آگے بڑھنے لگا تھا
لومڑی نے چترائی دکھائی
جنگل میں اک سبھا بلائی

سب کو اپنی چال بتائی
شیر کی دیکھو شامت آئی
جھٹ پٹ جھٹ پٹ جال منگایا
ڈرتے ڈرتے شیر پھنسایا
شیر اچانک اس حملے سے
گر جا، چیخا، اور گھبرایا
سانسیں پھولیں، دل گھبرایا
آنکھوں میں سایہ لہرایا
ہاتھ پاؤں سب مار کے دیکھے
کوئی کرتب کام نہ آیا
آخر گردن ڈال دی اُس نے
اور پھر آخری سانس لی اُس نے
سب نے دل کی مرادیں پائیں
جنگل میں خوشیاں لوٹ آئیں

■

Javed Akram
Kendriya Vidyalaya IIM
Prabandh Nagar, Lucknow - 226013 (UP)

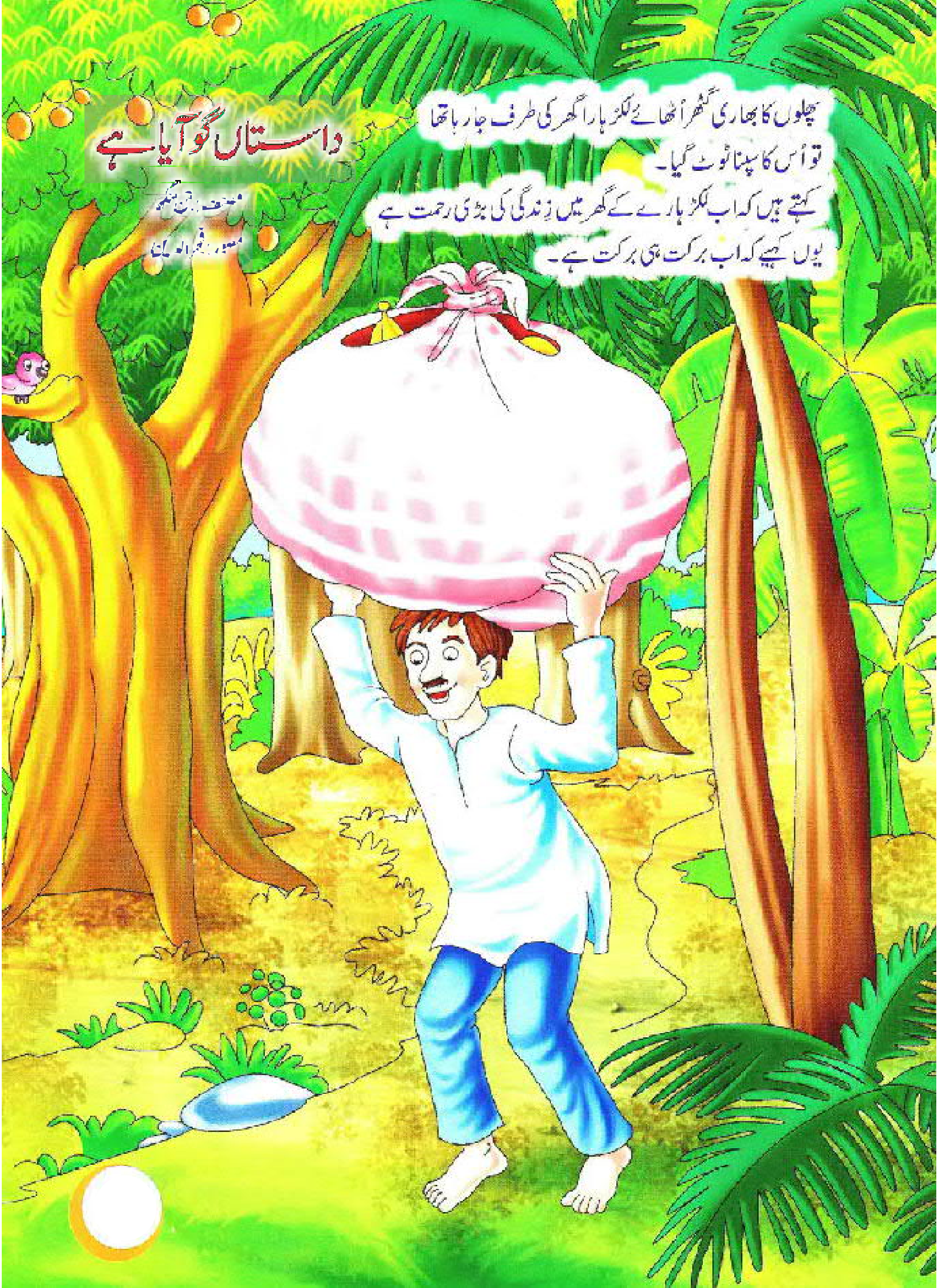
داستاں گو آیا ہے
چھلوں کا بھاری گٹھر اُٹھائے لکڑہارا گھر کی طرف جا رہا تھا
تو اُس کا سپنا ٹوٹ گیا۔
کہتے ہیں کہ اب لکڑہارے کے گھر میں زندگی کی بڑی رحمت ہے
یوں کہیے کہ اب برکت ہی برکت ہے۔

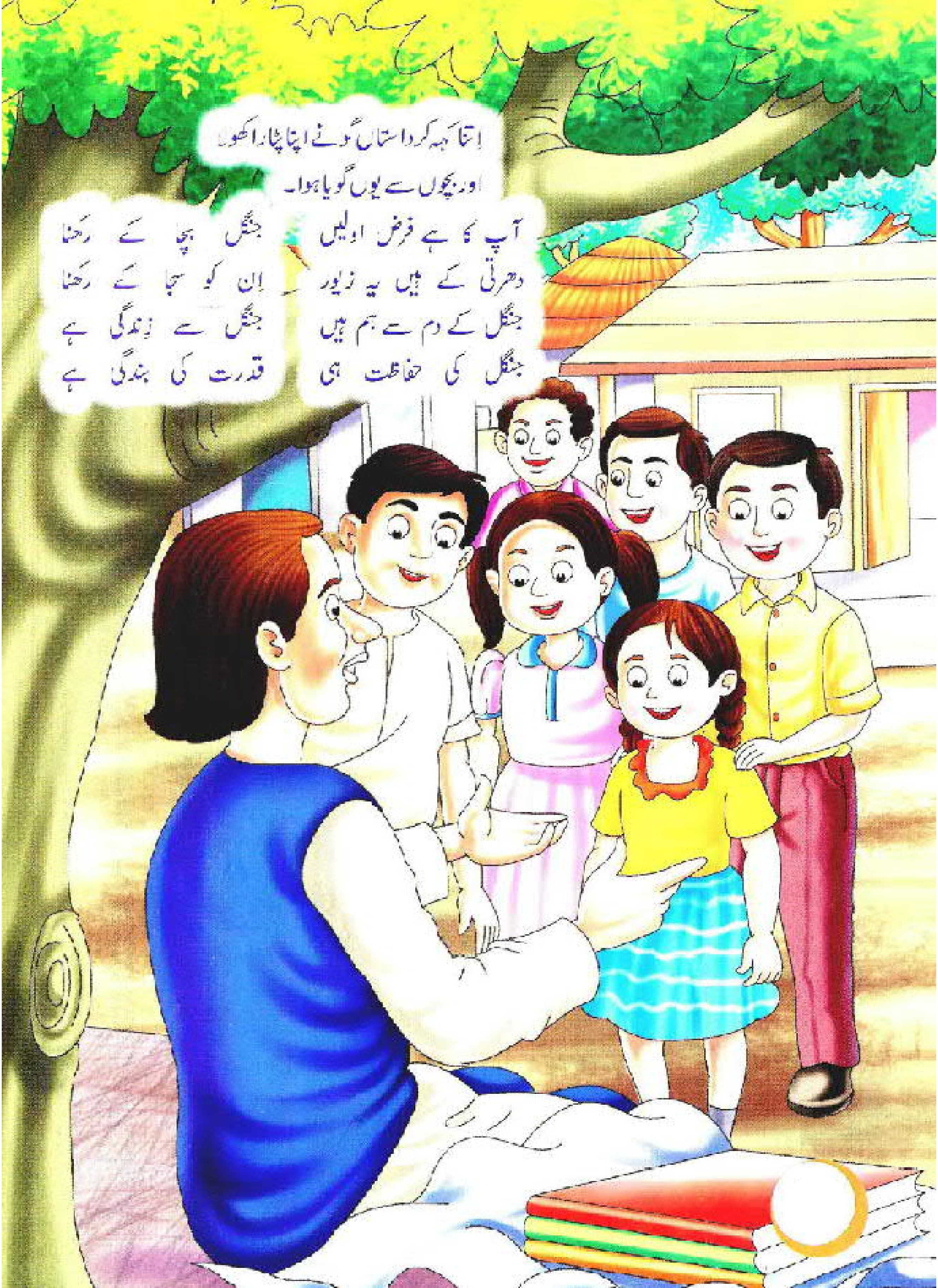
اتنا کہہ کر داستاں گو نے اپنا پٹارا کھولا
اور بچوں سے یوں گویا ہوا۔
آپ کا ہے فرض اولیں
دھرتی کے ہیں یہ زیور
جنگل کے دم سے ہم ہیں
جنگل کی حفاظت ہی
جنگل بچا کے رکھنا
اِن کو سجا کے رکھنا
جنگل سے زندگی ہے
قدرت کی بندگی ہے

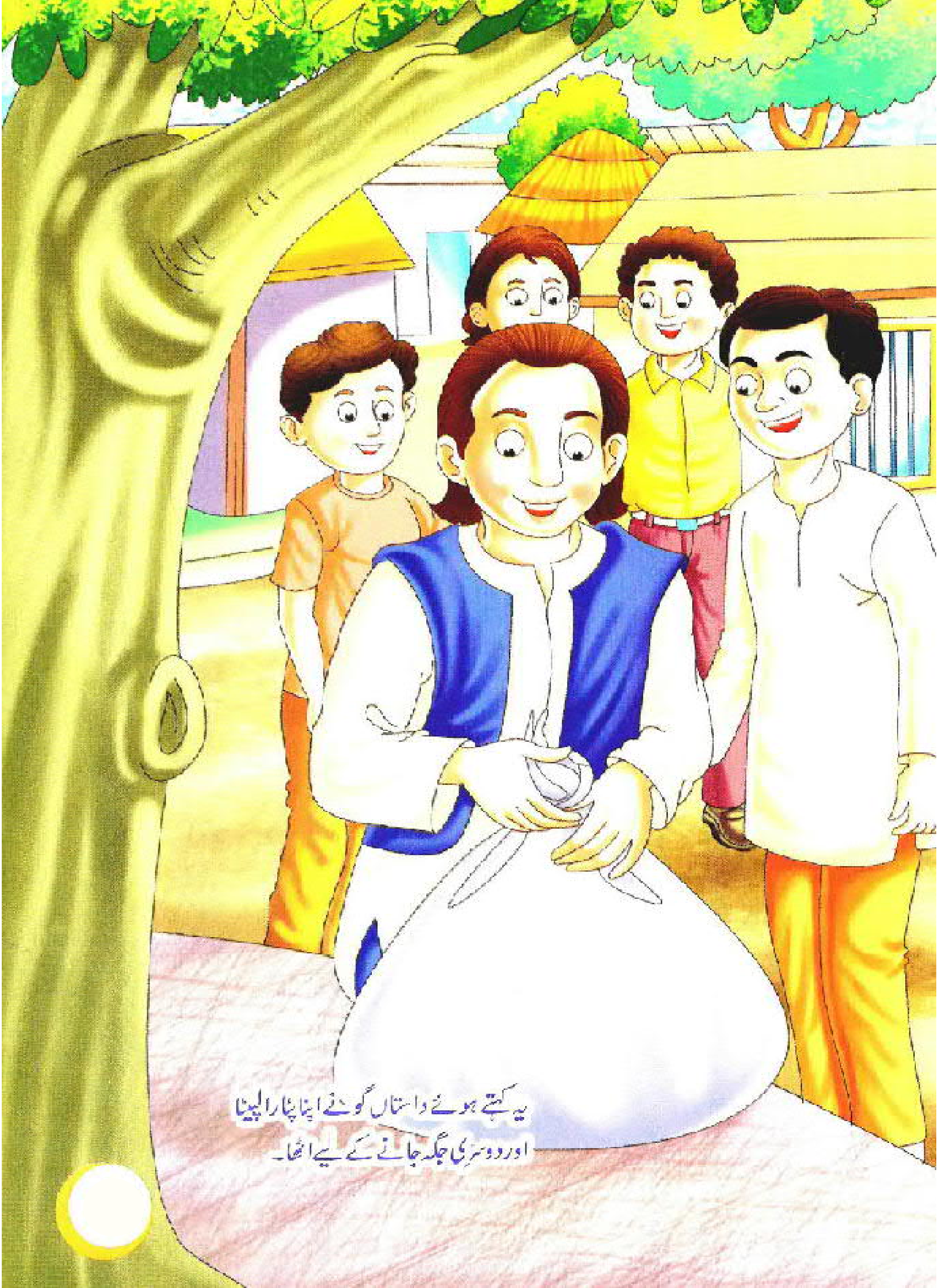

یہ کہتے ہوئے داستاں گو نے اپنا پٹارا لپیٹا
اور دوسری جگہ جانے کے لیے اٹھا۔

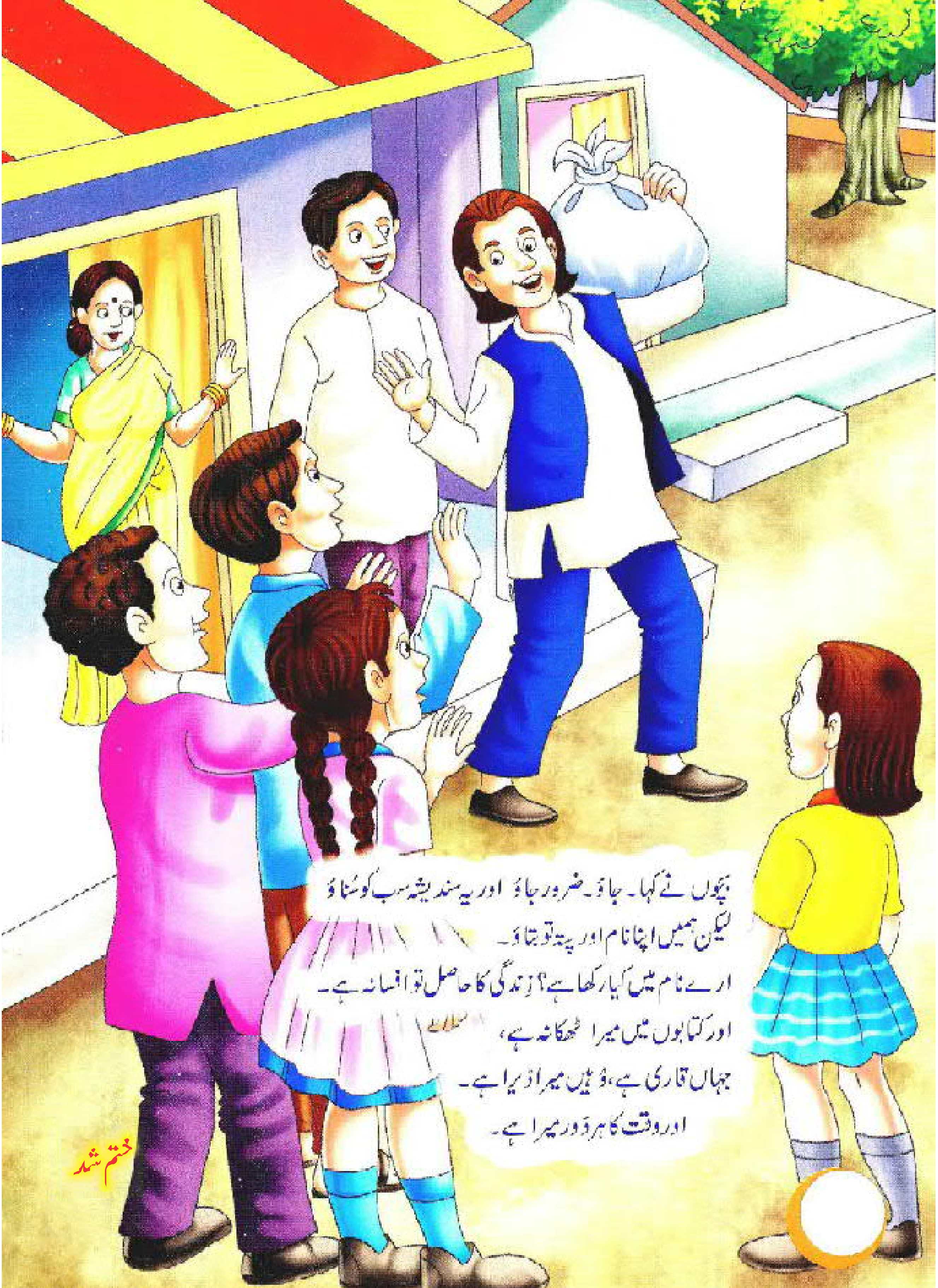
بچوں نے کہا۔ جاؤ۔ ضرور جاؤ اور یہ سندیشہ سب کو سناؤ
لیکن ہمیں اپنا نام اور پتہ تو بتاؤ۔
ارے نام میں کیا رکھا ہے؟ زندگی کا حاصل تو افسانہ ہے۔
اور کتابوں میں میرا ٹھکانہ ہے،
جہاں قاری ہے، وہیں میرا ڈیرا ہے۔
اور وقت کا ہر دور میرا ہے۔
ختم شد

ایڈوکیٹ حبیب ریتھ پوری

عزم

(جاگتی آنکھوں کے خواب)

نئی دہلی کا بال بھون، عیسوی سنہ 2004)

اس وقت کے صدر جمہوریہ ہند اے پی جے عبدالکلام کے ہاتھوں بچوں کو 'بال شری' انعامات کی تقسیم ہونی تھی۔ پورے ملک سے بائیس بچوں کا اس انعام کے لیے انتخاب ہوا تھا۔

ان میں ایک 'من شری سومن' عمر 12 سال وہ بھی شامل تھی۔ اسے موسیقی سے بے حد لگاؤ تھا بلکہ موسیقی اس کی زندگی تھی۔ ہارمونیم پر جب اس کی انگلیاں رواں ہوتیں تو ایسی موسیقی پھوٹتی کہ سننے والا بس سنتا ہی رہے۔ موسیقی کے امتحانات، رقص، اداکاری اور تقریری مقابلوں میں حصہ لینے کے ساتھ ساتھ وہ پڑھنے لکھنے میں بھی اول تھی۔

مقابلے کا آخری راؤنڈ شروع تھا۔ اسی وقت ججوں نے اس سے سوال کیا۔

''تم خود کا تعارف کس طرح کرواؤ گی۔'' اس نے جواب دیا۔ میں ہوں من شری سومن، لوگ دولت سے امیر ہوتے ہیں۔ میں دل سے امیر ہوں۔ خدا نے مجھے نابینا بنایا ہے... تو کیا ہوا؟ اسی نے مجھے میٹھی آواز عطا کی ہے۔ موسیقی دی ہے۔ میں جب بھگوان کا بھجن گاتی ہوں۔ تب آپ جیسے لوگ سننے کے لیے آتے ہیں... یہ میری خوش قسمتی ہے۔

صدر ہند تشریف لائے۔ پروگرام شروع ہوا۔ ان بائیس انعام یافتہ بچوں میں من شری سومن اکیلی ایسی انعام یافتہ تھی جس کو انعام دینے کے لیے صدر ہند خود اپنی جگہ سے چل کر اس کے پاس گئے اور اسے انعام سے نوازا۔

ڈاکٹر کلام نے اس سے پوچھا ''بڑی ہو کر تم کیا بنو گی؟'' من شری کے دوسرے ہی لمحے جواب دیا ''موسیقی کی استانی'' یہ سن کر صدر ہند خوش ہو گئے۔ انھوں نے دوسرا سوال کیا۔ اب دہلی کب آؤ گی۔ اس نے جواب دیا۔ ''پدم شری' ایوارڈ لینے کے لیے۔

یہ تھا اس نابینا من شری سومن کا عزم۔ اسی کو خواب دیکھنا کہتے ہیں۔

بڑے خواب دیکھنے کے لیے آنکھیں صحیح سلامت ہوں۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ اس طرح کے خواب دیکھنے کے لیے خوابیدہ نہیں۔ بیدار ہونا ضروری ہوتا ہے اور ان خوابوں کی تعبیر پانے کے لیے شعوری کوشش کی ضرورت ہوتی ہے۔

مراٹھی اخبار لوک شاہی وارتا سے ترجمہ

■

Habib Khan Meer Khan
R. No Mah. 1039, 2003
Madhopur, Distt. Amravati

محسن رضا

لہو کا رنگ

خدا نے انسان کی تخلیق مٹی سے کی مگر کچھ لوگ اپنی نسل اور اپنی ذات دوسری نسل و دوسروں کی ذات پر فوقیت دیتے ہے۔ پس اسی طرح لکھنؤ کے قریب کے ایک گاؤں میں ایک پنڈت تھے جو برہمن جیسی اعلی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ لوگوں کو دھرم کی باتیں بتانے اور اُن کو بُری باتوں سے روکنے کے علاوہ پنڈت جی اونچ نیچ کے حامی تھے۔

پنڈت جی ذات پات کے اتنے حامی تھے کہ ان کے گھر میں بھی نچلی ذات کے لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ خدا نے انسان کی تخلیق کرتے وقت امتیاز نہیں کیا تو انسان کیوں ان کا بندہ ہو کر بھی آپس میں نفرت کی دیواریں کھڑی کر لیتا ہے۔ ایک دن پنڈت جی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ان کو شہر کے مشہور اسپتال میں داخل کروا دیا گیا ڈاکٹر نے بتایا کہ مرض بڑھ چکا ہے اور اگر ان کی جان بچانی ہے تو ان کو خون کی بوتل کی ضرورت ہے پنڈت جی کا خون اے بی نگیٹیو تھا جس کا ملنا اتنا آسان نہیں تھا پورے گاؤں میں تلاش کرنے کے بعد گاؤں میں ایک نیچ ذات کے مادھو کسان کا خون پنڈت جی کے خون سے مشابہ تھا لوگوں نے پنڈت کی جان بچانے کے لیے مادھو کسان سے خون کا عطیہ مانگا غریب کسان پنڈت جی کی جان بچانے کے لیے خون کا عطیہ دینے کے لیے راضی ہو گیا۔ مادھو کسان کا خون پنڈت جی

کی نسوں میں جاتے ہی پنڈت جی کی جان میں جان آئی جب پنڈت نے اپنے بازو کے پلنگ پر نچلی ذات کے کسان کو دیکھا تو پنڈت کی عقل حیران رہ گئی پر جب انسان کی جان پر بات آتی ہے تو اُسے اپنی جان بچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی پڑتی ہے وہ اُس وقت ذات پات، نسل و رنگ سب کچھ بھول جاتا ہے اور اپنی جان بچاتا ہے انسان یہ بھول جاتا ہے لہو کوئی بھی ذات والے کا ہو اس کا رنگ لال ہی ہوتا ہے اور بلڈ بینک ایسی جگہ ہے جہاں نہ دھرم پوچھا جاتا ہے نہ مذہب۔

■

Mohsin Raza
28/12, Khirni Pura, Nageena Masjid
Yawal, Dist Jalgaon 425301 Maharashtra

منظور پروانہ

باتیں دلِ ناداں کی...

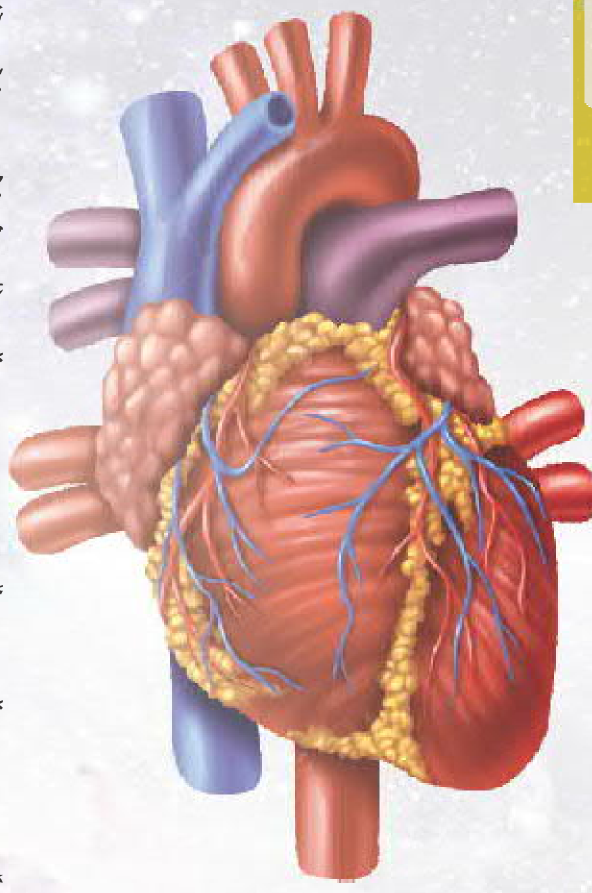

بچو! آپ نے اکثر اپنے بڑوں سے گفتگو کے دوران دل کے حوالے سے اس طرح کے جملے ضرور سنے ہوں گے۔ دل والے ہی دل کی بات جانتے ہیں، یہ دل کا معاملہ ہے، دل سے دل کو راہ ہوتی ہے یا دل ہے کہ مانتا ہی نہیں اور آج کل تو بچوں کی زبان پر بھی یہ دل مانگے مور کا شور بہت سنائی دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ دل ہے کیا؟ اس کی اہمیت کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ دل ہمارے جسم کا ایک بہت اہم حصہ ہے جب تک یہ ٹھیک طرح سے کام کرتا رہتا ہے اس وقت تک انسان زندہ رہتا ہے اور صحت مند بھی۔ ادھر دل نے کام کرنا بند کیا ادھر انسان کی زندگی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ یعنی زندگی کا دارومدار دل کی دھڑکن پر منحصر ہے۔

بچو! جب دل کی اتنی اہمیت ہے تو ہمیں اس کے بارے میں ضروری معلومات تو ہونی ہی چاہیے۔ آج ہم آپ کو دل سے متعلق کچھ ایسی معلومات دینے جا رہے ہیں جس کا شاید آپ کو علم نہ ہو۔

* دل کی ساخت اور سائز ہماری مٹھی کے برابر ہوتا ہے۔ یہ سینے میں بائیں جانب دونوں پھیپھڑوں کے درمیان واقع ہوتا ہے یہ ہر وقت سکڑتا اور پھیلتا رہتا ہے۔ یعنی خون پمپ کرتا رہتا ہے۔
* دل کے عضلات پر ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ یہ خودکار مشین کی طرح لگاتار کام کرتا رہتا ہے۔
* عام طور پر ایک صحت مند بالغ مرد کے دل کی دھڑکن کی رفتار 70 سے 78 فی منٹ ہوتی ہے۔ جبکہ خواتین میں یہ رفتار 75 سے 85 ہوتی ہے۔
* غیر معمولی حالت میں دل ایک منٹ میں زیادہ سے زیادہ تین سو بار دھڑک سکتا ہے۔
* 24 گھنٹے میں یہ دل ایک لاکھ سے زائد بار حرکت کرتا ہے۔
* اگر کوئی شخص ساٹھ سال کی عمر تک زندہ رہے تو ان کا دل تقریباً دو سو تیس کروڑ بار دھڑک چکا ہوگا۔
* ساٹھ سال کی عمر کے شخص کا دل تقریباً 27 کروڑ لیٹر خون پمپ کر چکا ہوتا ہے۔
* عام طور پر دل کا سائز انسانی جسم کا 1/200 واں حصہ

ہوتا ہے۔ مگر اس کو صحیح طریقہ سے کام کرنے کے لیے جسم کے خون کا 1/20 واں حصہ درکار ہوتا ہے۔

* ہر انسان کے جسم میں چونکہ ایک ہی دل ہوتا ہے، اس لیے وہ کسی کو دل اس طرح تحفہ میں عطا نہیں کر سکتا جیسے گردہ کیا جا سکتا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ انتقال کے فوراً بعد مردہ انسان کا دل دوسرے شخص کو لگا دیا جائے۔
* بعض وجوہ کی بنا پر جب دل کی دھڑکن بے ترتیب ہو جاتی ہے اس وقت مریض کو اچانک اور تیز برقی جھٹکا دیا جاتا ہے جس سے دھڑکن کی بے ترتیبی دور ہو جاتی ہے۔
* ای، سی، جی مشین کے ذریعہ دل کی حالت اور نقل و حرکت کے بارے میں معلومات حاصل کی جاتی ہیں جو دل کے امراض کے علاج میں کافی مددگار ہوتی ہے۔
* ہارٹ لنگ مشین بھی ایک اہم مشین ہے اس کا استعمال کر کے دل کی حرکت کو روک کر دل کو چار گھنٹے تک عمل جراحی کے لیے کھولا جا سکتا ہے یہ مشین خون کو شریانوں میں اس طرح پمپ کرتی ہے کہ اسے دل سے ہو کر نہیں گذرنا پڑتا ہے۔
* دل کو خود اپنا کام کرنے کے لیے خون کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر دل کو مطلوبہ خون پہنچانے میں نسیں ناکام رہتی ہیں یا کوئی رکاوٹ آ جاتی ہے تو درد کا احساس ہوتا ہے۔ اگر دل کے کسی حصہ میں خون کی ترسیل رک جائے تو وہ حصہ غیر فعال ہو جاتا ہے۔ اگر یہ حصہ دوبارہ فعال نہیں ہو پاتا ہے تو اسے دل کا دورہ پڑنا کہتے ہیں۔

■

Manzoor Parwana
Chikan Shopi Nazeerabad
Lucknow 226018 (UP)

بچوں کی زندگی میں اُستاد کی اہمیت

■ **فاطمہ شاہین**

تعلیم حاصل کرنا انسان کی زندگی کا سب سے اہم اور ضروری پہلو ہے کیونکہ علم کی کمی انسان کو انسانیت سے گرا دیتی ہے۔ ہمارے کلام پاک میں بھی علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پڑھو اس خدا کے نام سے جس نے تمھیں پیدا کیا۔

اس جملے سے علم کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور ظاہری بات ہے کہ علم بہت وسیع ہوتا ہے۔ بہت زیادہ ہوتا ہے تو اس کو سیکھنے کے لیے کوئی نہ کوئی استاد چاہیے۔ جو خدا کے فضل و کرم سے اگر ہمیں مل جاتا ہے تو بچپن سے بڑے ہونے تک علم کے خزانے سے مالا مال کر دیتا ہے۔

ایک استاد کی صحبت میں آنے کے بعد زندگی کے تمام پہلو روشن ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جہالت کا اندھیرا مٹتا جاتا ہے اور ایک بچہ جو اپنے والدین کے ساتھ رہ کر بھی نہیں سیکھ پاتا۔ ایک استاد کی صحبت میں سیکھ لیتا ہے۔

اسی لیے یہ حکم ہے بچو کہ اپنے استاد کا ادب اپنے والدین کی طرح کرو۔ ان کے بتائے راستے پر چلو۔ جو اچھی باتیں سیکھو وہ اپنی زندگی میں شامل کرنے کے ساتھ دوسروں کو بھی سکھاتے رہو۔ تبھی تو استاد کا حق ادا ہوگا۔ جب ان کی سکھائی اور بتائی ہوئی اچھی اچھی باتیں آپ کی زندگی کے شب و روز میں دکھائی پڑیں۔

■

Fatima Shaheen
D-813, G.T.B Nagar, Karely
Allahabad(UP)

وکیل نجیب

پہیلیاں

(1)

- بتاؤ وہ ہے کون سا جانور
- شروع میں چلے چار پاؤں سے جو
- بڑا ہو کے چلتا ہے دو پاؤں پر
- بڑھے تو چلے تین پاؤں سے جو

(2)

- خطرناک سب سے مٹی کون سی
- کہ ایک پل میں مر جائے انساں جہاں
- وہ مشہور ہے اور معروف بھی
- کہ ڈرتا ہے جس سے بزرگ و جواں

(3)

- بڑا بوجھ تھا اک گدھے پہ لدا
- کہ ندی میں اس کو اتارا گیا
- گدھا غرق جوں ہی ہوا آب میں
- وہاں جل کے فوراً ہی وہ مر گیا
- بتاؤ کہ کیا تھا گدھے پہ لدا

(4)

- بتاؤ تو وہ جانور کون ہیں
- کہ ہوتے ہیں جن کے سر پہ پیر
- سبھی جگہ وہ ملتے ہیں
- اپنے ہی ہیں وہ نہیں غیر

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

■

Wakeel Najeeb
Near Lal School, Mominpura
Nagpur - 440018 (Maharashtra)

ظہیر نیازی

ماہ مئی کے اہم دن

* یکم مئی: مزدوروں کا دن
* 2 مئی کو مشہور کھلاڑی ڈیوڈ بیکھم کا یوم پیدائش۔ فٹ بال کے اس نامور کھلاڑی نے کئی بار حیرت انگیز پرفارمینس دیئے۔
* 3 مئی کو یہودی گولڈ میر کی پیدائش ہوئی تھی، اسرائیل کے قیام میں بڑے ناموں میں سے ایک نام۔
* چار مئی 1/94 میں جمیکا کی تلاش ہوئی تھی۔
* 5 مئی کو جاپان اور کوریا میں یوم اطفال (بچوں کا دن)
* اولمپک میڈلسٹ شوٹر گگن نارنگ کا یوم پیدائش 6 مئی کو۔
* 7 مئی کو رابندر ناتھ ٹیگور کا یوم پیدائش۔
* 8 مئی: انٹرنیشنل ریڈ کراس ڈے، 8 مئی کو ہی Motherday
* 12 کو انٹرنیشنل نرس ڈے
* 17 مئی کو 1792 میں نیویارک اسٹاک ایکسچینج کی تشکیل ہوئی۔
* 18 مئی 1804 میں نیپولین بونا پارٹ فرانس کا بادشاہ بنا۔
* 19 مئی مشہور قلمکار رسکین بانڈ کا یوم پیدائش۔
* 21 مئی: بدھ پورنیما۔
* 27 مئی: پنڈت جواہر لعل نہرو کا یوم وفات
* 28 مئی: نیپال میں یوم جمہوریت، 28 مئی کو ہی 1961 میں ایمنسٹی انٹرنیشنل قائم ہوئی تھی۔
* 31 مئی: ورلڈ نو ٹوبیکو ڈے
* نیوزی لینڈ کے باشندے ماہِ مئی کو ہر سال 'میوزک منتھ' کے روپ میں مناتے ہیں۔

■

Zaheer Neyazi
Teachers Colony, P.O: River Side
Bhurkunda
Distt.: Ramgarh. 829135 (Jharkhand)

آؤ اردو سیکھیں

(اردو سکھانے کے بہت سے طریقے رائج ہیں۔ ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' میں اردو سکھانے کا یہ سبق تجرباتی طور پر شروع کیا گیا ہے۔ اگر یہ تجربہ کامیاب رہا تو غیر اردو داں بچوں کو اردو سکھانے کا یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اس سلسلے میں آپ کے ذہن میں کوئی آسان اور مفید طریقہ ہو تو ہمیں ضرور آگاہ کریں۔)

से : ث

دیکھو، اسے ث (से) کہتے ہیں۔ اگر اسے ہندی میں سمجھنا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ स کی آواز دیتا ہے اور انگریزی میں S کی۔

'ث' देखो इसे से कहते हैं। अगर इसे हिन्दी में समझना है तो कह सकते हैं कि ये 'स' की आवाज़ देता है।

जीम : ج

دیکھو، اسے ج (जीम) کہتے ہیں۔ اگر اسے ہندی میں سمجھنا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ ज کی آواز دیتا ہے اور انگریزی میں J کی۔

'ج' देखो इसे जीम कहते हैं। अगर इसे हिन्दी में समझना है तो कह सकते हैं कि ये 'ज' की आवाज़ देता है।

آج کا سبق یہی ہے یعنی

ث : से
ج : जीम

आज का सबक़ यही है यानी

से : ث
जीम : ج

اسے تصویر کی مدد سے یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے:

ث سے ثمر समर Samar
ج سے جگ जग Jug

इसे तस्वीर की मदद से यूँ समझा जा सकता है:

से से समर Samar
जीम से जग Jug

■ محمد طارق صدیقی

سب سے اچھا پیڑ

ایک گاؤں میں تین بھائی رہتے تھے۔ وہ گاؤں ایک ظالم زمیندار کا تھا۔ وہ ان کو بہت پریشان کرتا تھا۔ اس کے ظلم سے پریشان ہو کر ایک دن صبح کے وقت تینوں بھائی نئے گھر کی تلاش میں نکل پڑے۔ گرم گرم دھوپ میں وہ سڑک پر چلتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں آم کا ایک بہت بڑا پیڑ آیا۔ اس پیڑ کے نیچے گھنا سایہ تھا۔ تینوں بھائی اس کے نیچے آرام کرنے لگے۔ پیڑ کے آم کو توڑ توڑ کر اور اس کا میٹھا میٹھا رس چوسنے لگے۔ بڑے بھائی نے کہا... بھائی مجھے تو یہی جگہ پسند ہے۔ آم کے پیڑ سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے؟ آم پکنے لگیں گے تو ہم اچھے دام میں بیچیں گے اور جب وہ سب بک جائیں گے تو ہم میٹھے میٹھے آم کھائیں گے، کچھ آم ہم بعد میں کھانے کے لیے سکھا کر رکھ لیں گے۔ پہلے بھائی نے آم کے نیچے ایک جھونپڑی بنائی اور وہ وہیں ٹھہر گیا۔ لیکن اس کے بھائی وہاں نہیں ٹھہرے وہ آگے چل پڑے۔ چلتے چلتے انھیں کیلے کے کچھ پیڑ ملے۔ تبھی آسمان سے ایک کالا بادل گرجا۔ تب پانی برسنے لگا۔ دونوں بھائیوں نے کیلے کا ایک ایک پتہ کاٹ لیا اس کے سائے میں ان پر پانی نہیں گرا۔ تھوڑی دیر میں بادل چھٹ گیا، بارش رک گئی۔ دوسرے بھائی نے کہا... بہت بھوک لگی ہے۔ مجھے بھی... تیسرے بھائی نے کہا، دونوں نے کیلے کا ایک پکا گچھا توڑا اور انھوں نے ایک ایک کر کے کیلا کھایا اور دونوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ اس کے بعد ایک ایک کیلا بھی کھایا۔ دوسرے بھائی نے کہا... میں تو یہاں گھر بناؤں گا۔ کیلے کے پیڑ سے پیسہ کیا ہوگا... اچھے کیلے کھانے کو ملیں گے، ان کی سبزی بنائیں گے، کچے کیلے ہم بیچیں گے اور ان کے پیسے سے ہم چاول خرید لیں گے اور کیلے کے پتے بھی کام آئیں گے۔ اس لیے دوسرے بھائی نے وہیں اپنی جھونپڑی بنائی، لیکن تیسرا بھائی آگے بڑھتا چلا گیا، چلتے چلتے اس کو ناریل کا ایک پیڑ ملا۔ پیڑ بڑا لمبا اور پتلا تھا۔ تیسرے بھائی نے کہا پیاس بہت لگی ہے۔ ٹپ سے... ایک ناریل زمین پر ٹپک پڑا۔ تیسرے بھائی نے اپنا چاقو نکالا، خرخر... ناریل کی جٹائیں صاف کردی، پھر اس نے ناریل کے چھلکے میں چھوٹا سا سوراخ کیا اور اس کا ٹھنڈا میٹھا پانی پیا۔ ناریل کے پیڑ کی چھوٹی سی چھاؤں... تیسرا بھائی اسی چھاؤں میں بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔

آم کا پیڑ بہت اچھا ہوتا ہے، اور آم بھی بہت اچھا پھل ہے... کیلے کا پیڑ بہت کام کا ہوتا ہے اور کیلا کھانے میں بھی بہت اچھا ہوتا ہے۔ اچھے پیڑوں کی کیا کمی ہے! ناریل کے پیڑ کا ہی سوچو، ناریل کی جٹاؤں کو کات کر میں موٹی ڈوریاں بنا سکتا ہوں اور ڈوریوں سے میں مضبوط چٹائیاں بھی بنا سکتا ہوں۔ رسیوں اور چٹائیوں کو میں شہر کے بازار میں بیچ سکتا ہوں، میں ناریل کا پانی بھی پی سکتا ہوں اور میں ناریل کی گری بھی کھا سکتا ہوں اور کچھ گری سکھا کر میں کھوپرا بھی تیار کر سکتا ہوں، کھوپرے کو پیر کر میں کھوپرے کا تیل نکال سکتا ہوں۔ کھوپرے کا تیل صابن اور کئی چیزیں بنانے کے کام آتا ہے۔ ناریل کے چھلکے کو صاف کر کے کٹورے اور پیالے بنا سکتا ہوں۔ ٹھیک تو ہے، میرے لیے تو یہی پیڑ سب سے اچھا ہے۔ میں تو اسی کے نیچے گھر بناؤں گا۔ اس لیے تیسرے بھائی نے ناریل کے پیڑ کے نیچے اپنی کٹیا بنائی اور مزے سے رہنے لگا۔

■

Mohammad Tariq Siddiqui
N/139B1, Abul Fazal Encalve
Jamia Nagar, New Delhi - 110025

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

صبا آر کے

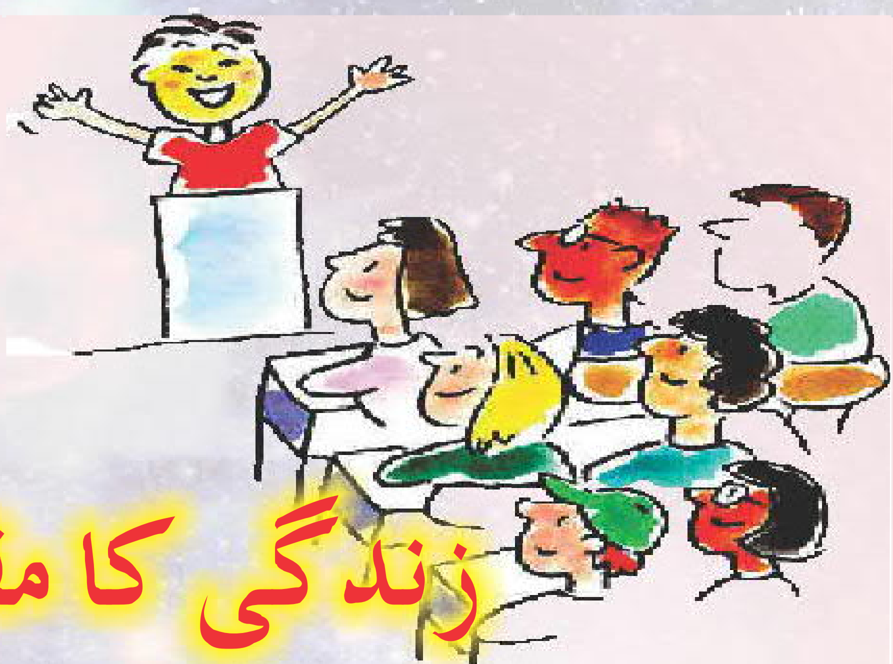

زندگی کا مقصد

کسی گاؤں میں عمران نام کا لڑکا تھا۔ وہ بہت ہوشیار، سمجھدار اور ایماندار تھا۔ وہ خود سے پہلے دوسروں کا خیال کرنے والا تھا۔ یہ بات تب ثابت ہوئی جب اس نے اپنی خواہش ڈاکٹر بننے کی ترک کر کے سب کے لیے سوچا، میں سب کیوں نا بن جاؤں؟

عمران ساتویں جماعت کا طالب علم تھا، اس کے اسکول کھلے آج دوسرا ہی دن تھا، بچوں نے کلاس میں دھوم مچا رکھی تھی، جدھر دیکھو اُدھر بچے شور، مستی اور باتوں میں مشغول تھے۔ اچانک ایک بچے نے چلا کر کہا: سر آرہے ہیں۔ سب بچے خاموش ہو جاؤ تو سب خاموشی سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ سر کلاس میں داخل ہوئے سب بچوں نے ادب سے سلام کیا وعلیکم السلام بیٹھ جائیے۔ سر نے تمام بچوں سے کہا۔ تمام بچے بیٹھ گئے۔

سر نے حاضری لینے کے بعد سب بچوں سے کہا، ہاں تو بچو میں نے آپ سب کو ایک کام دیا تھا آج کے لیے۔ آپ سب نے کیا ہے اس کام کو، جس سے میں یہ پتہ کر سکوں کہ آپ سب پڑھائی میں کیسے ہیں اور کتنی دلچسپی رکھتے ہیں۔ سب بچوں نے ایک ساتھ جواب دیا جی سر، تو ٹھیک ہیں دائیں جانب سے شروع کرتے ہیں کہ میں بڑا ہو کر کیا بنوں گا اور کیوں بننا چاہتا ہو اس کی وجہ کے ساتھ ایک کے بعد ایک بتانا شروع کرتے ہیں۔ ناظم سے تم کیا بننا چاہتے ہو اور کیوں؟

سر! میں بڑا ہو کر وکیل بننا چاہتا ہوں تا کہ ہر بے گناہ کو انصاف دلا سکیں۔ بہت اچھے ناظم پر اس کے لیے تمہیں خوب دل لگا کے پڑھائی کرنی ہوگی، سر ناظم کو سمجھاتے ہوئے بولے: دوسرا کون ہے؟

دوسرا طالب علم سر! میں ڈاکٹر بنوں گا تا کہ ہمارا ہندوستان صحت مند ہندوستان کہلائے، بہت اچھا خیال ہے۔ سر نے جواب دیا۔

تیسرا: سر! میں بڑا ہو کر ڈرائیور بننا چاہتا ہوں کیونکہ مجھے گاڑیوں کا بہت شوق ہے، چوتھا: کون، سر میں انجینئر بنوں گا تبھی آواز آئی سر ہم، سر ہم، لڑکیوں سے پوچھیے سب لڑکیاں ایک ساتھ بولنے لگیں ٹھیک ہے ٹھیک ہے پوچھتا ہوں۔ بولیے۔

سر! میں بڑی ہو کر سیاست داں بننا چاہتی ہوں بہت اچھے تاکہ سب پر راج کر سکوں، اوہ تو تم حکومت چلانا چاہتی ہو۔ بہت خوب، دوسرے کون؟ سر! میں بڑی ہو کر ٹیچر بننا چاہتی ہوں، بہت خوب، سر! میں ڈاکٹر بننا چاہتی ہوں تاکہ لوگوں کی خدمت کر سکوں، سر! میں ثانیہ مرزا بنوں گی کیونکہ میں ٹینس میں بہت اچھی ہوں، ایک کے بعد ایک سب بولتے گئے۔ میں انجینئر، میں دھونی، میں پائلٹ، میں بزنس مین، میں سلمان خان، میں کمپیوٹر انجینئر غرض سب بچوں نے جواب دے دیا، سوائے ایک کے۔ آخر میں کون ہے۔ سر نے پوچھا، ماسٹر جی وہ عمران فاروقی ہیں ایک بچے نے جواب دیا۔

عمران کیا بننا چاہتے ہو تم؟

ماسٹر جی: وہ سر، میں یہ کہنا ہے کہ وہ کچھ سوچتے اور گھبراتے ہوئے بولا۔ کیونکہ سب نے اپنے لیے افضل اور اعلیٰ عہدے چن لیے جو آرام اور آسانی سے ہو سکے۔ سوائے ایک کام کے جو سب سے افضل تو ہے پر لوگ ایسے کام کو حقیر سمجھتے ہیں۔

وہ کون سا کام ہے عمران، گھبراؤ نہیں، بے جھجک بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو، سر میری بھی یہی خواہش تھی کہ میں بہت بڑا ڈاکٹر بنوں لیکن اب سوچتا ہوں میں کسان کیوں نا بن جاؤں کیونکہ..... ..

سبھی لوگ ڈاکٹر انجینئر، وکیل، ٹیچر وغیرہ وغیرہ بن جائیں گے تو سبھی لوگ دولت مند اور مال دار تو ہوں گے اور عیش و آرام کی زندگی گزاریں گے مگر کھائیں گے کیا۔ جب کوئی کسان ہی نہیں بنے گا، کوئی کھیتی نہیں کرے گا تو سب مالا مال ہوتے ہوئے بھی اناج کے لیے محتاج ہو جائیں گے بغیر کسان کے۔ اس لیے میں بڑا ہو کر کسان بنوں گا اور خوب پڑھائی کر کے ٹیکنالوجی کا استعمال کر کے زراعت کروں گا۔ عمران اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

بہت اچھے عمران، شاباش، آپ کی جگہ سامنے کی ہے، آ جائیے، سب عمران فاروقی کے لیے تالیاں بجانے لگے۔ بہت خوب تو بچو سر پوری کلاس مخاطب کرتے ہوئے بولے بچوں ہر کوئی اپنے خیال سے پہلے دوسروں کا خیال رکھے تو ہمارا دیش سب دیشوں سے ترقی یافتہ ہو جائے گا اور جس طرح سے ہر کوئی ڈاکٹر، ٹیچر، وغیرہ بننے کی دوڑ میں لگ جائے گا ذرا سوچیے۔

آپ کا سارا مال، ساری دولت، کیا کام آئے گا جب کسان ہی کوئی نہیں رہے گا تو انسان کیا کھائے گا۔

اور یاد رکھنا عمران، موسم، کسان پر مہربان نہیں ہوتے اس لیے تم اتنی پڑھائی کرنا کہ تم دوسرا بھی کام کر سکو اور سبھی بچوں سے میں یہ بات کہنا چاہوں گا علم حاصل کرنے کے لیے باہر ملک بھی جانا پڑے تو جاؤ، کیونکہ حدیث یہ بھی ہے: علم کا حاصل کرنا، پوری کلاس بولنے لگی: ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ تبھی گھنٹے کی آواز نے کلاس ختم ہونے کا اعلان کیا۔

■

Saba R K
Silk Mill Colony
Near Moyeenul Islam School, Railway Station, Aurangabad (Maharashtra)

سارِیہ انجم مبین احمد

علم کی اہمیت

کسی گاؤں میں ایک لڑکا رہتا تھا۔ اس کا نام علی تھا۔ اس کے ماں باپ کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ علی تیسری جماعت میں پڑھتا تھا۔ دوسروں کے گھر محنت مزدوری کر کے اپنا گزارا کر لیتا تھا۔ جو پیسے ملتے اُس سے پڑھنے کے لیے کاپی کتابیں خرید لیتا تھا۔

ایک دن وہ کام کی تلاش میں گھر سے نکلا مگر اسے کوئی کام نہ ملا۔ وہ مایوس ہو کر گھر سے دور ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ گیا اور سوچنے لگا، اب میں چوتھی جماعت میں جانے والا ہوں مگر میرے پاس کاپی کتابیں خریدنے کے پیسے نہیں تھے۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہاں سے بادشاہ کا گزر ہوا۔ اس نے پوچھا ”بیٹا! تم کون ہو؟“ اور اتنے اداس کیوں بیٹھے ہو؟“

علی نے ساری بات بادشاہ کو بتا دی۔

بادشاہ سوچ میں پڑ گیا کہ اتنا چھوٹا سا لڑکا اور اپنی پڑھائی کے لیے کتنا فکرمند ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: ”بیٹا! تمھارے ماں باپ کہاں ہے اور کیا کرتے ہیں؟“

”بچپن ہی میں میرے ماں باپ کا انتقال ہو گیا تھا۔ میں محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا ہوں“ علی نے کہا۔

بادشاہ نے کچھ سوچ کر علی سے کہا: ”آج سے تم ہمارے ساتھ رہو گے تمھاری پڑھائی لکھائی کا خرچہ ہم ادا کریں گے۔“

بادشاہ علی کو اپنے ساتھ محل لے آیا اور اپنی ملکہ سے ملوایا۔ ملکہ بھی علی سے مل کر بہت خوش ہوئی۔ دراصل ان کے یہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ علی کو اپنے بیٹے کی طرح پیار کرنے لگے۔

انھوں نے علی کا نام بدل کر شہزادہ ذیشان رکھ دیا۔ شہزادہ ذیشان خوب دل لگا کر اپنی پڑھائی میں مصروف ہو گیا۔ وہ اسکول نہیں جاتا تھا بلکہ بڑے بڑے عالم محل میں آکر شہزادے کو تعلیم دیتے تھے۔

شہزادہ ذیشان ذہین بھی بہت تھا۔ اس کو گھڑسواری، تیراندازی اور فوجی تربیت دینے کے لیے بھی بڑے بڑے ماہر آئے۔

دھیرے دھیرے شہزادہ ذیشان نوجوانی کے عالم تک پہنچ گیا اور بادشاہ بہت ضعیف ہو گیا۔ اس کی طبیعت بھی روز بروز خراب رہنے لگی۔

ایک دن اس نے شہزادہ ذیشان کو بلایا اور کہا:

”اب حکومت کو سنبھالنا میرے لیے ممکن نہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ یہ ذمہ داری اب تم سنبھالو۔“

بادشاہ نے شہزادہ ذیشان کو بادشاہ مقرر کر دیا اور اعلان کر دیا کہ شہزادہ ذیشان ساری سلطنت کا مالک ہے۔ رعایا کی دیکھ بھال اور سلطنت کے کاروبار شہزادہ ذیشان ہی سنبھالے گا۔

شہزادہ ذیشان ابھی تک اپنے بچپن کی باتیں، اپنی غریبی کے دن کو نہ بھلا پایا تھا۔ اس نے رعایا میں تمام غریب، یتیم اور مسکین بچوں کو جمع کرنے کا حکم دیا اور ایک بڑی خانقاہ اپنے بادشاہ کے نام سے کھولی جس میں ان سب لوگوں کے لیے تعلیم لازمی اور مفت قرار دی، تعلیم کا شوق پیدا کیا۔

اس طرح شہزادہ ذیشان کی ریاست میں کوئی جاہل نہ رہا۔

■

Saria Anjum Mobeen Ahmad

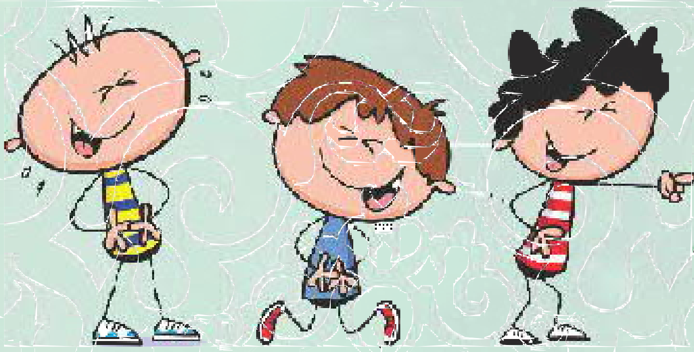

ہنسی کے غبارے

بھکاری: صاحب دو دن سے بھوکا ہوں۔ کچھ مدد کرو۔

صاحب: تم بھکاری تو نہیں لگتے۔ یہ لو دس کا نوٹ اور بتاؤ تمھاری یہ حالت کیسے ہوئی؟

بھکاری: صاحب میں بھی آپ کی طرح فضول خرچ تھا۔

مسافر (ریلوے گارڈ سے) میں چائے پینا چاہتا ہوں۔ کوئی ایسا طریقہ بتائیے کہ میرے آنے تک گاڑی نہ چلے۔

گارڈ (مسکرا کر) بہت آسان راستہ ہے۔ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیے۔

ایک دوست دوسرے دوست سے۔

مجھے ایک کیشیئر کی تلاش ہے۔

دوسرا بولا لیکن دو ماہ پہلے ہی تو تم نے کیشیئر رکھا تھا۔

پہلے نے جواب دیا۔ اسی کی تو تلاش ہے۔

ایک دوکاندار نے اپنے سیلزمین کو بلایا اور پچھلے دن کی سیل دیکھ کر بولا "کل ایک ہی دن میں سر درد کی ایک ہزار گولیاں کیسے بک گئیں۔"

سیلزمین: جی کل دوکان کے سامنے والے میدان میں مشاعرہ تھا۔

مالک (نئے چپراسی سے) تمھیں منیجر نے سب کام سمجھ دیا ہے نا؟

چپراسی: جی ہاں انھوں نے سمجھا دیا ہے کہ جب آپ دفتر آئیں تو میں انھیں جگا دیا کروں۔

چور ایک گھر کا تالا توڑ رہا تھا۔ جیسے ہی تالا ٹوٹا چور کے پیچھے آہٹ ہوئی۔ چور نے مڑ کر دیکھا تو پایا کہ گھر کا مالک اس کے پیچھے کھڑا تھا۔

چور گھبرا گیا۔

مکان مالک اُسے تسلی دیتا ہو بولا۔ میں تمھارا احسان مند ہوں کیونکہ اس تالے کی چابی کہیں گم ہوگئی تھی۔

مالکن نے نوکرانی سے پریشان ہوکر کہا۔ اپنی تنخواہ سے زیادہ کے تو تم برتن توڑ دیتی ہو۔ بتاؤ میں اب کیا کروں۔

نوکرانی نے کہا: میری تنخواہ بڑھا دو۔

ذیشان، درجہ ہفتم، سمنول رحمانیہ فری پرائمری اسکول، جہانگیرپور محلہ آسنسول

فلک جبین، درجہ ہفتم، برائٹ کوچنگ سنٹر، آسنسول، مغربی بنگال

سیدہ ادیبہ نوید بنت سید منیر مدنی، درجہ ہشتم، فاطمہ گرلز ہائی اسکول
بیگم پورہ، اورنگ آباد، مہاراشٹر

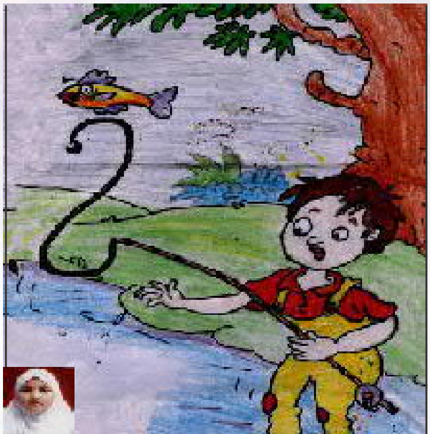

تحریم بیگم شیخ آصف، درجہ: ۸
فاطمہ گرلس اردو اسکول، بیگم پورہ اورنگ آباد

رانی فضل لوہار، درجہ ہشتم، ذیڈپی اردو ہائی اسکول، سبھاش نگر، شیرپور

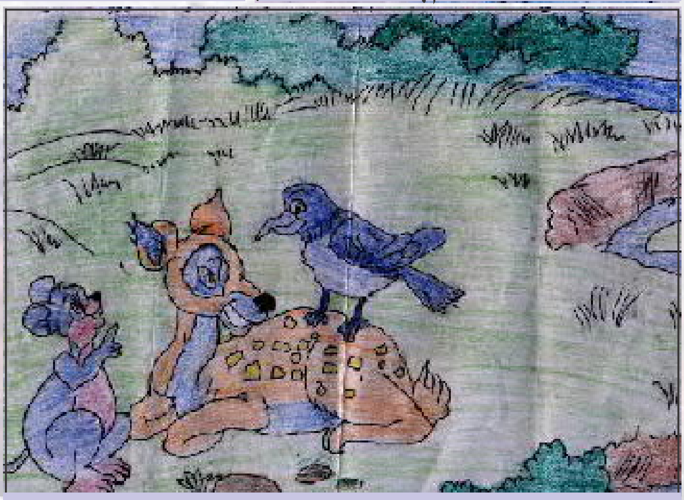

بشریٰ شیخ رئیس، درجہ ہشتم، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر، تعلقہ شیرپور، ضلع دھولیہ

انشا الیاس کے اشفاق، درجہ ہفتم، ملت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

مصباح شیخ عابد، درجہ ہفتم، ضلع پریشد اردو اسکول، گھوڑی

زہرا علی، درجہ ششم، سیفرون پبلک اسکول، فرید آباد

فاطمہ رضا، کے ٹی

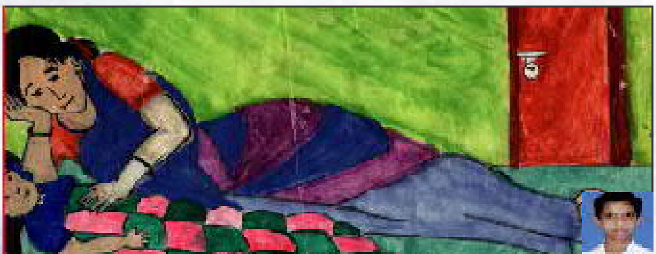

سید محمد علی سید ابرار نگ زیب، درجہ ہشتم، اینگلو اردو ہائی اسکول راویر، ضلع جلگاؤں، مہاراشٹر

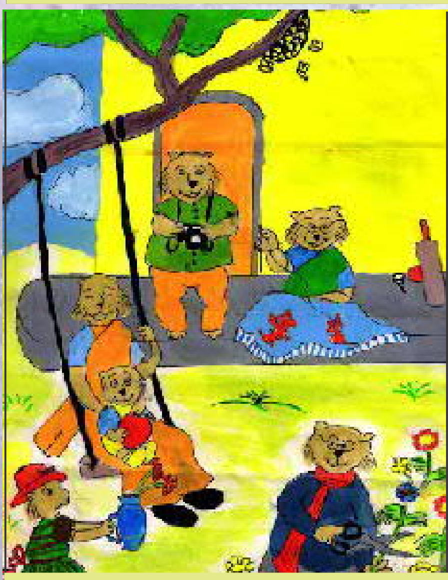

بشریٰ انجم صادق محمد، درجہ ہشتم، ملت ہائی اسکول، مہرون، جلگاؤں، مہاراشٹر

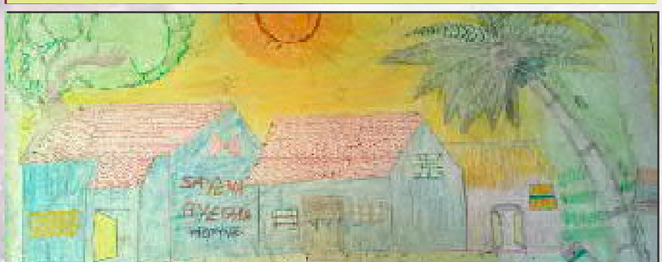

صائمہ عائشہ، زیڈ پی اردو اسکول، یاول، مہاراشٹر

facebook اردو فیس بک

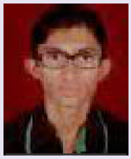

میں 'بچوں کی دنیا' کئی مہینے سے پڑھ رہا ہوں۔ 'بچوں کی دنیا' میں سارے مضامین اچھے لگتے ہیں۔ کہانیاں بھی بڑی اچھی ہوتی ہیں۔

عطف عدنان شیخ صادق، شاہو نگر، شاہین لائبریری کے پاس، جلگاؤں، مہاراشٹر

مجھے مشاہد کوثر کہتے ہیں۔ عثمان آزاد اردو ہائی اسکول اکولہ 9 ویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ اللہ ہمارے نانا کی عمر دراز فرمائے! ان کی بار بار کی ہدایت نے مجھے اردو پڑھنے پر مجبور کیا۔ میرے لیے انھوں نے دو رسالے جاری کرا دیے ایک 'امنگ' اور دوسرا 'بچوں کی دنیا'۔ میں دونوں رسالے بڑے شوق سے پڑھتا اور بھائی بہنوں کو سناتا ہوں۔

مشاہد کوثر، اسکول رتن لال، اکولہ، مہاراشٹر

میں نے جب پہلی بار 'بچوں کی دنیا' کو دیکھا تو دیکھتے ہی پسند آ گیا۔ میرے ابو ہر ماہ میرے لیے 'بچوں کی دنیا' لاتے ہیں اور میں جب تک پورا پڑھ نہ لوں تب تک رکھتا نہیں۔ میری دعا ہے 'بچوں کی دنیا' اسی طرح ترقی کرے۔

ثاقب رضا، ڈومن پورہ انصاری نگر، متوناتھ بھنجن، یوپی

میں 'بچوں کی دنیا' کی ایک نئی قاری ہوں۔ میں کیرالہ میں رہتی ہوں۔ کیرالہ میں لوگ اردو زبان کی اچھی سمجھ نہیں رکھتے ہیں۔ لیکن ہم مدرسے میں اردو پڑھتے ہیں۔ یہ رسالہ بہت عمدہ ہے اور ہمیں ڈھیر ساری معلومات فراہم کرتا ہے۔

مجیہ وانیمل، مجمہ بستان آباد، کیرالہ

میرا نام دانش ابن اسحٰق شاہ ہے۔ 'بچوں کی دنیا' ایک بہت ہی اچھا رسالہ ہے۔ بچوں میں اردو کی محبت پیدا کرنے کا یہ ایک بہت ہی اچھا ذریعہ ہے۔ ہمارے گاؤں میں یہ اردو زبان کا سب سے زیادہ پڑھا جانے والا رسالہ ہے۔

دانش ابن اسحٰق شاہ، جماعت ہفتم، گورنمنٹ اردو اسکول، برہان پور، مدھیہ پردیش

میرا نام شاہینہ ہے۔ مجھے سب پیار سے پری کہتے ہیں۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت اچھا لگتا ہے۔ میں ہر ماہ اس کو پابندی کے ساتھ پڑھتی ہوں۔ اس کے مضامین بہت ہی اچھے ہوتے ہیں۔ نظمیں بھی بہت پیاری ہوتی ہیں۔ ننھے قلم کار کالم کا بھی جواب نہیں۔ ہم ہر ماہ اس کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتے ہیں۔

پری بنت شیخ غلام، جماعت پنجم، گورنمنٹ اردو اسکول، برہان پور، مدھیہ پردیش

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

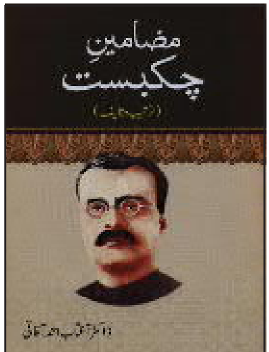

صفحات: 393، قیمت: 175 روپے

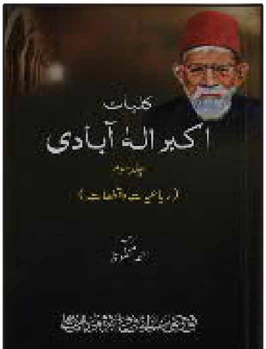

صفحات: 377، قیمت: 170 روپے

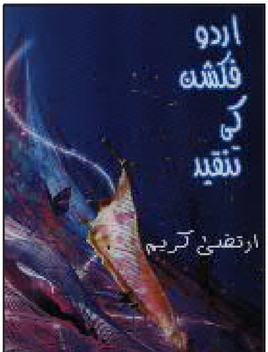

صفحات: 546، قیمت: 220 روپے

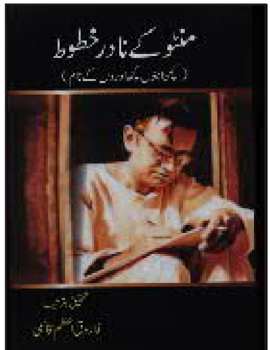

صفحات: 82، قیمت: 55 روپے

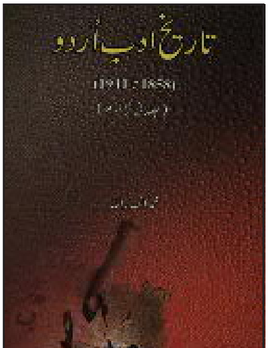

صفحات: 626، قیمت: 265 روپے

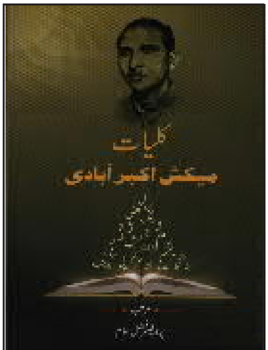

صفحات: 390، قیمت: 180 روپے

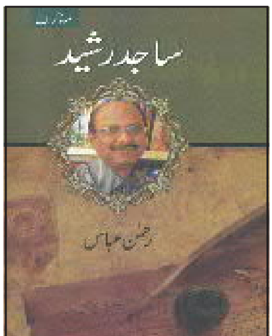

صفحات: 123، قیمت: 77 روپے

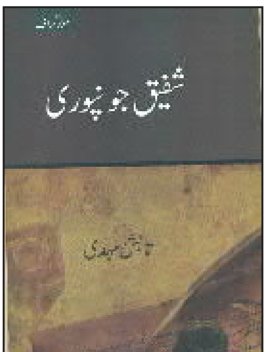

صفحات: 120، قیمت: 75 روپے

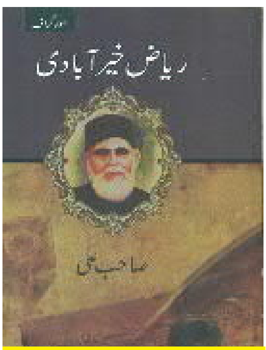

صفحات: 215، قیمت: 75 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159 E-mail: ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

BACHON KI DUNIYA Monthly, May 2017, Vol. 05, Issue: 5
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439-2016-18
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/04/17
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

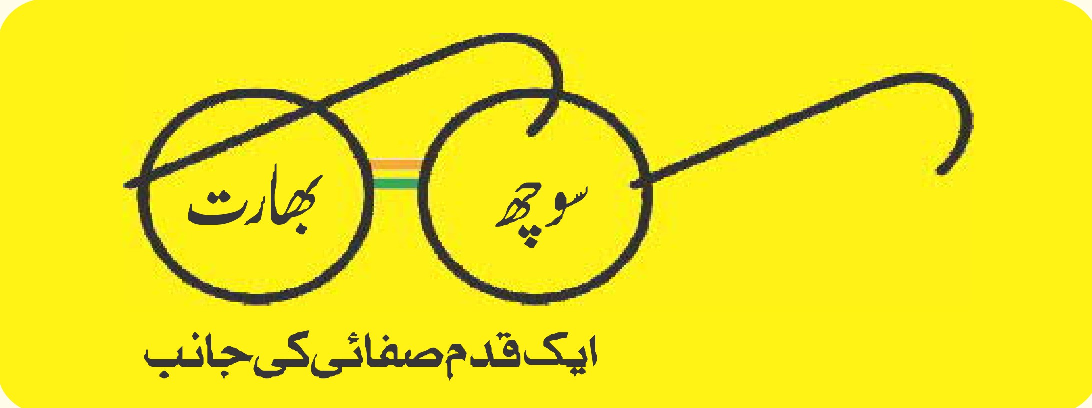

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دل چسپ کتابیں

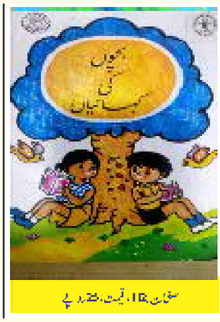

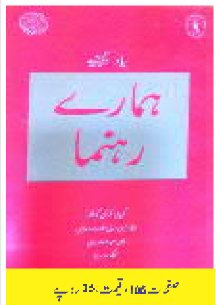

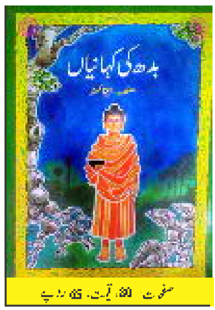

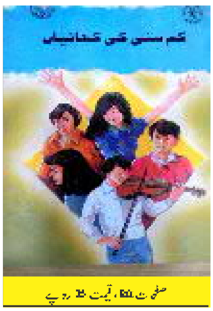

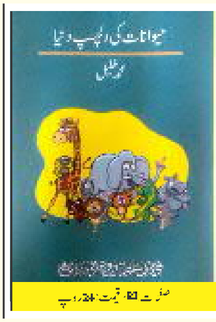

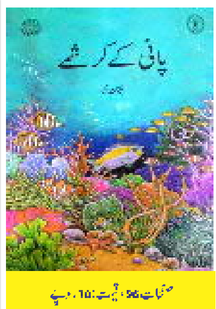

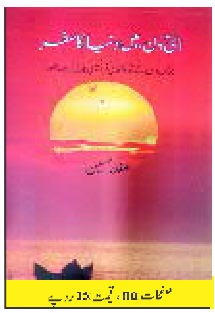

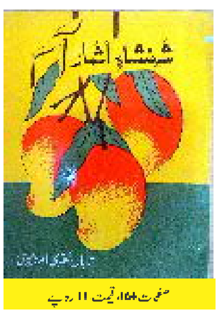

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Prof. Syed Ali Karim, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language,
and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.